دوسوا ہم موضوعات کی فہرست اجمالی خاکہ

آخری قسط

[ا] جدیدیت [Modrenism] اور جدید طرز زندگی [Modrenity] تو نفس کی شب و روز پرستش کا نام ہے نفس کے ہر تقاضے اور ہر مطالبے کو عملی طور پر جدیدیت کے بطن سے نکلنے والی جدید سائنس نے ممکن بنادیا ہے جدید سائنس اپنی ایجادات کے ذریعے پرستش نفس کے ممکنہ وسائل مہیا کر رہی ہے جس کے نتیجے میں اسراف کی ثقافت جنم لے رہی ہے اور تزکیہ نفس کے امکانات کم سے کم ہوتے جارہے ہیں اور نفس پر قابو پانے کے تمام طریقے رفتہ رفتہ ناکارہ ہو رہے ہیں نفس پرستی کے نتیجے میں انسان صبر برداشت تحمل کی روایات سے عاری ہوگیا ہے جدید انسان جس قدر وحشی اور نفس پرست ہے دنیا کی تاریخ میں کبھی ایسا وحشی انسان پیدا نہیں ہوا نفس پرستی نے اسے تشدد پر آمادہ کردیا۔ اس کی وحشت اور بہیمیت کا اندازہ اس بات سے کیا جائے کہ اگر کوئی چیز، کوئی واقعہ، کوئی فیصلہ اس کے نفس کے خلاف ہوجائے تو فوراً سڑکوں پر نکل آتا ہے اور پتھراؤ شروع کردیتا ہے گاڑیوں اور سواریوں پر حملے کرتا ہے یہ سوچے بغیر کہ ان بے گناہوں کا کیا قصور ہے بجلی بند ہو پانی نہیں آرہا ہو مہنگائی ہوگئی ہو کسی رہنما کو قتل کردیا گیا ہو اس کا غصہ یہ جدید انسان ٹریفک کے سگنلوں، نجی و سرکاری عمارات، نجی سرکاری گاڑیوں، پیٹرول پمپ، دکانوں پر پتھراؤ کرکے انھیں آگ لگا کر تہس نہس کرکے اتارتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ ان اہداف میں سے کون سا ہدف تمہارا دشمن ہے ان بے جان چیزوں کا کیا قصور ہے؟ اگر حکومت نے بجلی مہیا نہیں کی تو بجلی گھروں، بجلی گھروں کے عملے، بجلی کی تنصیبات کو آگ لگانے، جلانے، تباہ کرنے اور عملے کو قتل کرنے سے کیا فوری طور پر بجلی مہیا ہوجائے گی اگر نہیں تو ان حرکات کا مقصد کیا ہے؟ ۱۹۷۰ء میں کراچی کے ۸۰ فی صد علاقے میں بجلی نہ تھی اور ملک کے ۹۹ فی صد علاقے میں بجلی نہ تھی لیکن کبھی گرمی میں کسی نے جلوس نہیں نکالا نہ توڑ پھوڑ کی نہ ہنگامے کئے کہ اتنی گرمی کا علاج کیوں نہیں ہے پوری ملک کے کسی شہر میں کسی نے یہ مطالبہ نہیں کیا کہ صرف کراچی میں بجلی ہے وہاں پنکھے چل رہے ہیں تو یہ سہولتیں ہمارے یہاں کیوں مہیا نہیں ہیں ۱۹۷۰ء میں کراچی میں سوئی گیس کی سہولت بڑے پیمانے پر موجود تھی لیکن سوئی کے لوگ اور کوئٹہ شہر اس سہولت سے بالکل محروم تھے لیکن بلوچستان کے لوگوں نے کبھی اس بات پر ہنگامے نہیں کئے کہ یہاں سوئی گیس کی سہولت کیوں مہیا نہیں کی جارہی کیا وجہ ہے کہ شہری علاقے شہر غنڈہ گردی، دہشت گردی بدمعاشی کے مراکز ہیں وجہ ظاہر ہے۔ کہ سرمایہ داری یہاں مضبوط ہوتی ہے اور وہ انسانوں کی قلب ماہیئت کردیتی ہے اسے نفس کی کلی پرستش پر آمادہ کرتی ہے اور نفس کا بندہ بنادیتی ہے۔ جدید ایجادات نفس کی بندگی کے اسباب وسائل ذرائع مہیا کرتی ہیں اور ہمیں اس کا اندازہ ہی نہیں ہوتا مثلاً ۱۹۸۰ء تک پاکستان میں فریج اور فریزر عام نہیں تھے فریج کی درآمد کی اجازت پہلی مرتبہ ۱۹۷۳ء میں دی گئی تھی بستیوں میں اکادکا لوگوں کے پاس فریج ہوتے تھے اور اکادکا لوگوں کے پاس فون اور گاڑی۔ گھروں میں مٹکے صراحی سے کام چلتا تھا لہٰذا ناک کان حلق کے ماہرین ڈاکٹر کراچی میں برائے نام بھی نہیں تھے نہ ہی کوئی ماہر امراض قلب تھا گرمیاں آتی تھیں اور گزر جاتی تھیں لوگ گرمی سہنے کے عادی تھے اور سہتے تھے گرمی میں پسینہ بہنے سے ان کی صحت عمدہ اور جسم مضبوط تھے لوگ تازہ کھانا کھاتے تھے باسی

کھانوں کا استعمال ممکن نہ تھا کسی گھر میں کوئی اچھا کھانا پکایا جاتا تو استعمال کے فوری بعد اہل محلّہ، غرباء، مساکین میں تقسیم کر دیا جاتا کہ ذخیرہ اندوزی کی سہولت میسر نہیں تھی۔ لہٰذا اس نعمت میں کھانا پکانے والے، رشتہ دار اہل محلّہ اور غرباء بھی شریک ہو جاتے یہ ہوس نہیں پیدا ہوتی تھی کہ یہ اچھا کھانا ہے اسے ذخیرہ کر لو اور کھاتے رہو اور کھلاتے رہو یا مہمانوں کے لئے رکھ لو خرچہ بچ جائے گا پھل آتے تو کھانے کے بعد اضافی پھل ارد گرد تقسیم کر دیے جاتے کیونکہ ذخیرہ اندوزی کی سہولت نہیں تھی اس رویے کے نتیجے میں انسان رسول اللہ کا صحیح امتی ''القاسم'' تھا تقسیم کرنے والا جو ملنے والی نعمتوں کو تقسیم کرتا رہتا اس کی صحت بھی اچھی تھی کہ وہ باسی چیزیں استعمال نہ کرتا وہ حرص و ہوس و حسد سے بھی محروم تھا کہ یہ جذبہ احتکار سے پیدا ہوتا ہے احتکار کا مزاج پیدا کرنے والی ایجادات اس کی دسترس میں نہ تھیں اس کے باعث مستحق اور غرباء اس کی نعمتوں میں برابر کا حصہ پاتے۔ دودھ وغیرہ ایک مقررہ مدت سے زیادہ تک محفوظ نہ رہ سکتا تھا لہٰذا کم دودھ آتا لہٰذا دودھ کی قیمت بھی متوازن رہتی درست طریقے سے استعمال ہوتا اور خرچ ہو جاتا دودھ کا ایک ایک قطرہ احتیاط اور طریقے سے استعمال ہوتا کبھی کبھی دودھ شدت کی گرمی کے باعث پھٹ جاتا تو کوئی قیامت نہ آ جاتی سب لوگ صبر کرتے کہ دودھ پھٹ گیا ہے اب چائے نہیں بنے گی اور دودھ کا حلوہ بھی نہیں پکے گا پھر کبھی دیکھیں گے یہ نہیں تھا کہ ملک پیک کا ڈبہ لے آؤ گاڑی سے جاؤ دودھ کی دکان سے دودھ لے آؤ موبائل فون پر کسی کو کہہ دو کہ آتے آتے دودھ لے آئے نفس کے بشری تقاضے رک جاتے تھے اور صبر و تحمل کے رویے ابھر آتے تھے کیونکہ وہ وسائل و ذرائع مہیا نہ تھے جس سے نفس کے مطالبے فوری، ابھی اور آج ہی پورے کئے جا سکیں اس طرح بچوں میں صبر و ضبط کا مادہ پیدا ہوتا تھا لیکن جدید ذرائع و وسائل کی آمد کے ساتھ ہی نفس پرستی کے شیطان کو پر لگ گئے اب اچھے کھانے کھا کر تقسیم کرنے کے بجائے فریج و فریزر میں رکھے جانے لگے اور کئی کئی ہفتوں تک محفوظ کر کے یہ زہریلے کھانے کھا کر ہسپتالوں کی تعداد میں اضافہ کیا گیا باسی کھانے کی لذت سے مسلسل محظوظ ہونے اور چٹخارے لینے کی سہولت مہیا ہو گئی لیکن اس سہولت کے نتیجے میں وہ لوگ محروم رہ گئے جو سائل تھے یا غریب تھے پہلے ہر گھر میں دعوت کے بعد پہلا مسئلہ یہ ہوتا تھا کہ جو کھانا بچ گیا ہے اسے کس طرح تقسیم کیا جائے اب پہلا مسئلہ یہ ہوتا ہے کہ کسی نہ کسی طرح دعوت کے کھانے کو بچایا جائے تاکہ دو چار دن تو یہ کھانا چل سکے اور ایک آدھ دعوت بھی اسی کھانے میں ہو جائے باسی کھانا۔ فریزر کا کھانا۔ صحت کے لئے کس قسم کے مضمرات رکھتا ہے یہ سب کو معلوم ہے کئی کئی ہفتوں تک رکھے ہوئے کھانے باہر نکال کر اندر رکھ کر منجمد کر کے گرم کر کے پھر منجمد کرنا اور بار بار باسی کھانا کھاتے رہنا کتنا خطرناک ہے قربانی کا گوشت دو دو تین تین مہینے تک رکھ کر کھایا جاتا ہے جو زہریلا ہو جاتا ہے زیادہ گوشت کا استعمال صحت کے لئے تو مسائل پیدا کرتا ہے لیکن روح کے لئے اس سے زیادہ مسائل پیدا کرتا ہے حرص و حسد و ہوس انسانی مزاج کا لازمی حصہ بن جاتی ہے لہٰذا عہد حاضر کا انسان نہایت لالچی حریص و حاسد ہے اس کا مظاہرہ بڑے بڑے امراء کی شادی ولیمہ اور دیگر تقریبات میں بخوبی کیا جا سکتا ہے کھاتے پیتے لوگ کھانے پر کس طرح ٹوٹتے ہیں کھانا کس طرح لوٹتے ہیں کس طرح ضائع کرتے ہیں کس طرح پھینکتے ہیں بوتلیں کس طرح پیتے ہیں یہ رویہ دنیا کی اکیس تہذیبوں میں کبھی نہیں رہا۔ لالچ حرص و حسد کا عالم یہ ہے کہ ذیابیطس کے مریض، امراض قلب اور فشار خون کے مریض بھی شادی، ولیمے، عقیقے، دعوتوں میں مفت کے کھانے کو دیکھ کر اپنا پرہیز توڑ دیتے ہیں جب ان سے پوچھا جائے کہ یہ کیا ہو رہا ہے تو جواب دیتے ہیں کہ دوا کھا لیں گے ابھی تو کھانے کا دل چاہ رہا ہے لالچ کی آخری انتہا یہ ہے کہ شدید سردیوں میں ٹھنڈی بوتلیں نہیں چھوڑتے ٹھنڈی بوتلیں پینے کے بعد قلفی آئس کریم کھاتے ہیں اس کے بعد کافی اور کشمیری چائے پر ٹوٹ پڑتے ہیں جبکہ ٹھنڈی چیزیں استعمال کرنے کے بعد گرم چیزوں کا استعمال کوئی عاقلانہ اور صحت مندانہ کام نہیں ہے یہ کارِ خیر تمام طبقات کے تمام لوگ بخوبی انجام دے رہے ہوتے ہیں اس میں دینی اور لادینی متقی اور مخلصین سب بلا تفریق شامل ہیں یہ سوچے بغیر کہ ہمارے نفس کی حالت کیا ہے ہم کس خباثت اور ذلالت میں مبتلا ہیں ہم اتنا کیوں کھا رہے ہیں اور اس طرح کیوں پی رہے ہیں یہ اشیاء صرف کیا ہماری صحت، اخلاق، نفس، روح کے لئے تباہ کن تو نہیں ہیں انسانوں سے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت بھی عہد جدید کی ایجادات و سہولتوں نے سلب کر لی ہے اس عہد کا انسان دنیا کا جاہل قاتل اور احمق ترین انسان

ہے جسے جاہل بنانے میں اشتہار بازی کی صنعت کا خاص کردار ہے آج سے پانچ سال پہلے کراچی میں سردیوں میں کوئی شخص کوئی بچہ ٹھنڈی بوتلیں اور آئس کریم استعمال نہیں کرتا تھا سردیوں کا موسم آتے ہی آئس کریم، بوتلوں کی فیکٹریوں میں تالہ بندی ہو جاتی مزدوروں کو فارغ کر دیا جاتا اور موسم کے مطابق بوتلوں، آئس کریم کی پیداوار [Production] برائے نام رہ جاتی ہے یہ ایک فطری طریقہ تھا سرمایہ دارانہ اداروں نے اس صورت حال کا ازالہ کرنے کے لئے سردیوں میں کوک اور پیپسی کی بوتلیں لاگت سے بھی کم قیمت پر بیچنا شروع کیں ڈیڑھ لیٹر کی بوتل چھ سال پہلے سردی کے موسم اور رمضان کے مہینے میں مسجدوں کے باہر دس بارہ روپے میں دی جا رہی تھی اور لوگ جو حاسد و حریص ہو چکے ہیں یہ سوچے بغیر کہ یہ سازش ہے اور خطرناک ہے ان بوتلوں کو خرید رہے تھے یہ طریقہ کار دو تین سال جاری رہا اور اب سردیوں میں ٹھنڈی بوتلیں گرمی کی طرح فروخت ہو رہی ہیں اور کمپنیاں سردیوں میں دھڑلے سے بوتلوں کی قیمتیں بڑھا دیتی ہیں جبکہ پہلے سردیوں میں عام طور پر بوتلوں کی قیمتیں کم کی جاتی تھیں اور مختلف اسکیمیں نکال کر لوگوں کو بوتلیں خریدنے کی ترغیب دی جاتی تھی صرف پانچ سال میں صورت حال بالکل بدل گئی ہے حرص وحسد کو فروغ دے کر پہلے سستی ترین بوتلیں آئس کریم قلفیاں سردی کے موسم میں مہیا کی گئیں جب لوگ اس جہالت کے عادی ہو گئے تو قیمتیں بڑھا دی گئیں اب نئی نسل اس عمل کو فطری رویہ سمجھتی ہے ٹی وی میڈیا اسے بتاتا ہے کہ ٹھنڈک ہے تو کیا ہوا مزہ تو ہے چٹخارہ تو ہے نئی نسل یہ سمجھتی ہے کہ ہمارے آباؤ اجداد بھی صدیوں سے سردیوں میں یہی تلنگے بازی کرتے ہوں گے غیر فطری زندگی اور غیر منطقی رویوں کو عین فطری حقیقی اور منطقی ثابت کرنا میڈیا کا کمال ہے جو سرمایہ داری کا خاص کارندہ ہے مقاصد شریعت میں دین عقل نفس مال اور نسل کی حفاظت کو شامل کیا گیا ہے حرص وحسد میں اضافہ کیا دین کو محفوظ کر سکتا ہے کیا عقل کا تقاضہ ہے کہ سخت سردیوں میں ٹھنڈی چیزیں کھا کر بیمار ہو جائیں اور بچے علیل ہوں کھانسی نزلہ زکام سے پورا ماحول تباہ ہو جائے لوگ غلاظت میں مبتلا ہوں؟ کیا نفس کی پرستش عین مطلوب دین ہے؟ کیا مال اس طرح ضائع کیا جائے اس کا اسراف کیا جائے کیا آنے والی نسلوں کو ٹھنڈی آئس کریم سردیوں میں کھلا کر اپاہج، بیمار، نزلے زکام کھانسی کا دائمی مریض بنا دیا جائے سردیوں میں پیپسی، کوک اور آئس کریم کھانا پینا آج سے پانچ سال پہلے ایک غیر فطری، غیر عقلی، غیر منطقی اور غیر انسانی عمل سمجھا جاتا تھا صرف پانچ سال میں میڈیا کی طاقت، اشتہارات کی یلغار، پیپسی اور کوک کی معاشی جنگوں، حرص وحسد کی عمومیت کے ذریعے لوگوں کو فطرت سے ہٹا دیا گیا عقلیت سے محروم کر دیا گیا نفس مبتلائے آفت ہو گیا جان، مال، دین، نسل، عقل خطرے میں پڑ گئے اس کا نام کاروبار بزنس آزادی فری مارکیٹ اور مارکیٹ اکانومی ہے۔ جدیدیت [Modrenism]، سرمایہ داری [Capitalism]، مارکیٹ [Market] اور ذرائع ابلاغیات [Media] کے باہمی گٹھ جوڑ کی داستان پہلی مرتبہ منظر عام پر۔

[۲] راقم الحروف شادی بیاہ، ولیمے، عقیقے کی دعوتوں میں میز پر بیٹھے ہوئے مہمانوں سے ہمیشہ ایک سوال لازماً پوچھتا ہے کہ آپ نے زندگی میں کسی ایسی دعوت میں کبھی شرکت کی ہے جو وقت پر شروع ہوئی ہو اور جس میں کھانا دسترخوان پر کھلایا گیا ہو تو لوگ گہری سوچ میں چلے جاتے ہیں اور ننانوے فی صد لوگوں کا جواب نفی میں ہوتا ہے علماء، مذہبی دانشوروں، اسلامی انقلابی احیائی جہادی تحریکوں کے رہنماؤں کارکنوں کی تقاریب میں بھی کھانا دسترخوان پر نہیں کھلایا جاتا آخر کیوں؟ کیا صدر پرویز مشرف نے منع کیا ہے؟ کیا امریکہ نے ممانعت کی ہے آخر مسلمان دسترخوان پر کھانا کھلانے میں کیوں شرم محسوس کرتے ہیں یہ سنت ہمارے معاشرے سے کیوں رخصت ہو گئی ہے شیخ الاسلام حضرت مفتی تقی عثمانی کے صاحبزادے عمران اشرف کا ولیمہ ہوتا ہے تو وہ بھی ڈیفنس کلب میں اور اس میں بھی دسترخوان کا اہتمام نہیں ہوتا ۱۹۷۵ میں مولانا مودودیؒ کے صاحبزادے کی دعوت ولیمہ نواب مشتاق گورمانی کی گلبرگ والی کوٹھی میں ہوتی ہے تو وہاں بھی کھانا دسترخوان پر نہیں ملتا اگر علماء اور اسلامی تحاریک کے قائدین کی تقاریب میں دسترخوان کی سنت زندہ نہیں ہو گی تو پھر عوام کے یہاں اس سنت کا احیاء محال ہے دسترخوان کی سنت کے کئی فوائد ہیں ہمارے اخلاق رذیلہ کے لیے یہ سنت ایک حصار بن جاتی ہے کھانا ضائع نہیں ہوتا بزرگوں اور بچوں کو کھانا لینے کے لیے دھکے نہیں کھانے پڑتے بزرگوں اور مہمانوں کو فقیروں کی طرح قطار میں پلیٹیں لے

کرنہیں کھڑا ہونا پڑتا طشت کو خالی دیکھنا اور بار بار پلٹنا نہیں ہوتا عزت کے ساتھ سب کو بیٹھے ہوئے کھانا ملتا ہے لیکن دستر خوان ہمارے معاشرے ہماری معاشرت اور ہماری دعوتوں کے لیے اجنبی جنس ہوگیا ہے۔ کیا اس سنت کے احیاء کی فوری ضرورت نہیں ہے۔ بوہری فرقے کے سربراہ سیدنا برہان الدین کی ہدایت کے مطابق بوہری فرقے کی تمام تقاریب شادی ولیمہ ان کے جماعت خانے میں ہوتی ہیں مغرب کے فوری بعد کھانا شروع ہو جاتا ہے اور عشاء کی اذان کے ساتھ ہی دستر خوان اٹھا لیا جاتا ہے تقریب میں شرکت کے لئے پاجامہ کرتا پہننا لازمی ہے نشست فرشی ہوتی ہے غریب سے لے کر ارب پتی بوہری کی دعوت میں یہی طریقہ ہوتا ہے امراء کی تقاریب میں حکومت کے بڑے بڑے عہدیدار آتے ہیں تو وہ اسی طرح فرشی نشست پر بیٹھتے ہیں ان کے لیے میز کرسی کا انتظام نہیں کیا جاتا مہمانوں کے سامنے ایک طشت یا تھال رکھ دیا جاتا ہے جس میں چھ یا آٹھ آدمیوں کے سمانے کی گنجائش ہوتی ہے کسی کو الگ رکابی نہیں دی جاتی سب مل جل کر کھاتے ہیں سب سے پہلے نمک چٹایا جاتا ہے پھر دو دو سموسے دیے جاتے ہیں پھر ایک تکے کا ٹکڑا اس کے بعد بریانی آتی ہے وہ حسب طلب آتی رہتی ہے پھر میٹھا اور محفل برخاست اگر بوہری برادری دستر خوان کی سنت کو غرباء سے لے کر امراء تک نافذ کر سکتی ہے تو اسلامی تحریکیں، دینی جماعتیں اور علماء کرام کم از کم اپنی تقاریب میں اس سنت کو زندہ کر سکتے ہیں کیا اس طرف توجہ کی ضرورت نہیں ہے؟ دعوتوں میں لوٹ مار کا اسلوب جس طرح عام ہوگیا ہے اس سے بچنے کا واحد طریقہ دستر خوان پر کھانا کھلانا ہے افسوس ہے کہ اسلامی اور احیائی تحریکیں معاشرتی ضرورتوں اور معاشرتی تبدیلیوں سے آگاہ نہیں اور ان امور پر ان کی نظر نہیں ہے پھر انقلاب کیسے برپا ہو جو انقلابی اپنے ولیمے شادی اور تقاریب میں دستر خوان کی سنت جاری نہیں کر سکتے وہ عہد حاضر کی اسلامی ریاست میں سنتوں کا احیاء کیسے کر سکتے ہیں؟

[۳] اس احمقانہ تصور کا جائزہ کہ غیر جمہوری انقلاب اور غیر جمہوری ریاست وسیاست کا مطلب صرف اور صرف پر تشدد، خونی، دہشت گرد انقلاب ریاست وسیاست ہے دنیا میں ہزاروں غیر جمہوری انقلابات آئے غیر جمہوری ریاستیں، حکومتیں قائم ہوئیں لیکن تشدد نہیں پیدا ہوا یہ مفروضہ درست نہیں ہے کہ ہر غیر جمہوری انقلاب یقیناً پر تشدد انقلاب ہوتا ہے دہشت گردوں نے جمہوریت کے حق میں اتنا پروپیگنڈہ کر دیا ہے کہ ہر شخص یہ سمجھتا ہے کہ جو جمہوریت کا جمہوری انقلاب کا مخالف ہے وہ دہشت گردی کا حامی، خونی اور پر تشدد انقلاب کا محرک و حامی ہے حالانکہ تاریخی طور پر جس قدر دہشت گردی جمہوریت نے کی ہے دنیا میں کبھی اتنی دہشت گردی کسی خلیفہ، بادشاہ، ملوک، آمر نے نہیں کی۔ کیمبرج سے شائع ہونے والی مائیکل مین کی کتاب The dark side of the Democracy جمہوریت کی دہشت گرد تاریخ سے بخوبی پردہ اٹھاتی ہے یہ کتاب بتاتی ہے کہ جو جتنا جمہوری ہوتا ہے وہ اسی قدر متشدد ہوتا ہے عصر حاضر میں کوئی انقلاب سرمایہ داری جمہوریت اور دستوریت کے دائرے میں رہتے ہوئے برپا ہی نہیں ہوسکتا جمہوریت، میڈیا اور سرمایہ داری کے ذریعے کسی انقلاب کا برپا ہونا ممکن ہی نہیں رہا ہے جب بھی انقلابی جمہوری عمل جمہوریت، سرمایہ دارانہ اداروں، میڈیا، نظام کے اندر کوئی مقام بنا لینے پر مفاہمت اور اکتفا کریں گے انقلاب اس لمحے کالعدم ہو جائے گا گزشتہ پچاس برسوں میں دنیا کے جس جس حصے میں انقلاب کی جو کوششیں ہوئیں وہ ناکام ہوگئیں یوروپ کی سوشلسٹ پارٹیاں خصوصاً برطانیہ اور جرمنی اور فرانس کی جماعتیں جو جمہوریت کے ذریعے سوشلسٹ انقلاب لانے کا دعویٰ کرتی تھیں آخر کا شکست پر شکست کھانے کے بعد اپنے دعووں سے دستبردار ہوگئیں اور نظریاتی جماعتوں کے بجائے فلاحی جماعتوں [Walfare Parties] میں تبدیل ہوگئیں سرمایہ داری کی مابعد الطبیعیات کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے مذہب نظریے عقیدے کی مابعد الطبیعیات سرمایہ داری میں نہ پنپ سکتی ہے نہ برقرار رہ سکتی ہیں ہر انفرادیت اور ہر مابعد الطبیعیات جمہوری سیاسی نظام کے اندر یا ضم ہو جاتی ہے یا تحلیل ہو کر اسی نظام کفر کا حصہ بن جاتی ہے یا ایک اقلیت کی صورت میں غیر موثر ہو کر رہ جاتی ہے کسی ملک میں سرمایہ داری اور جمہوریت کی بالا دستی ہو اور ساتھ ہی ساتھ اسلامی زندگی اسلامی معاشرت کی بھی بالا دستی ہو عملاً ناممکن بلکہ محال ہے اور نہ ہی معلومہ تاریخ میں کبھی ایسا ہوسکا سرمایہ دارانہ مباحث اور جمہوری آئینی موضوعات کی اسلام کاری انقلاب کے امکان کو ناممکن بنا دیتی

ہے اسلامی شخصیت اسلامی انفرادیت، اسلامی معاشرت، اور اسلامی ریاست جمہوری اور سرمایہ دارانہ اقتدار میں پنپ ہی نہیں سکتے لیکن اگر کسی ملک میں اسلامی اقتدار بذریعہ جمہوری نظام قائم ہو تب بھی خصائص اسلامی کا افراد میں پیدا ہونا صرف ریاستی اسلامی سانچے ڈھانچے سے ممکن نہیں کہ ریاست تو محض ایک قابل قبول نظام جبر کا نام ہوتا ہے اور نظام جبر سے کبھی روحانیت پیدا نہیں ہوتی احسان کی صفت روحانیت کی کیفیت حکومتی اقتدار ریاستی غلبے سے نہیں اس علمیت و روحانیت اور باطنیت سے پیدا ہوتی ہے جو اسلامی معاشرے میں احسان کے نظم وضبط اور احسان کے رویے سے پھوٹتا ہے لوگوں کے نفس کی تربیت ان کے اخلاق رذیلہ کا تدارک اخلاق حسنہ کا فروغ ان کی روحانیت میں اضافہ ان کی مادہ پرستی کا انسداد، ان کے اندر اوصاف حمیدہ کا مسلسل اضافہ حرص وحسد و ہوس سے گریز پرہیز کا عمومی مزاج، دنیا سے کم سے کم تمتع کی اندرونی باطنی حقیقی اور روحانی خواہش دنیا کو حقیر جاننا آخرت کو دنیا پر ہر حال میں ترجیح دینا، زندگی کو نہایت سادہ اور فطری رکھنا۔ زندگی کو فطرت اور کائنات کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنا کہ فطرت اور کائنات کو اپنے مادی تقاضوں سے ہم آہنگ کرنا اسلام کے روحانی نظام کا بنیادی خاصہ ہے جو صوفیاء کے بغیر نہ قائم ہو سکتا ہے نہ باقی رہ سکتا ہے اور اس روحانی نظام کے قیام کے بغیر اسلامی حکومت مسلمانوں کو روحانی طور پر مسلمان نہیں رکھ سکتی وہ ایک قانونی مسلمان تو پیدا کر سکتی ہے لیکن حقیقی روحانی مسلمان پیدا کرنے سے قاصر رہتی ہے۔ خصوصاً اسلامی جمہوری ریاست میں ان خصائص کا پیدا ہونا محال ہے کہ جمہوریت تو دنیا سے تمتع کی لامتناہی خواہش کو ممکن بنانے کا نظام ہے اس لئے تمام اسلامی تحریکیں وسائل میں اضافے، لذت میں اضافے اور عیش وعشرت میں اضافے کو عین اسلامی سمجھتی ہیں ایک اہم جائزہ۔

[۴] اس نقطۂ نظر کا جائزہ کہ غازی عبدالرشید صاحب [جامعہ حفصہ اسلام آباد] اور صوفی محمد صاحب [امیر تحریک نفاذ شریعت محمدی] نے بزعم خود اجماع امت سے انحراف کرتے ہوئے کفر بواح کا ارتکاب کرنے والی پاکستانی حکومت کے خلاف جہاد یا خروج کا اعلان کیا اور مسلح اقدامات اٹھانے کا فیصلہ کیا تو قرآن وسنت اور اجماع کی روشنی میں طے شدہ طریقہ خروج کی پیروی اور تقلید کرنے سے کیوں گریز کیا جس کے مطابق مسلح جدوجہد اس وقت کی جائے جب اس گروہ کو امت کی معتد بہ حمایت حاصل ہو جائے عام حالات میں فقہا کے نزدیک کفر بواح کا ارتکاب کرنے والی حکومتوں کے خلاف جدوجہد صرف جائز ہے لیکن اس وقت جب خروج کی تمام شرائط پوری ہو رہی ہوں اور اسلحہ وفوجی طاقت بھی مناسب ہو تو پھر یہ خروج لازمی ہو جاتا ہے کیا دونوں گروہ ان شرائط کو پورا کر رہے تھے؟ دوسرا سوال یہ ہے کہ کفر بواح کا ارتکاب تو پاکستانی حکومت طویل عرصے سے کر رہی تھی تب یہ حضرات خروج جیسے اہم دینی فریضے سے غافل کیوں تھے؟ اس وقت غضِ بصر سے کام لینے کی کیا حکمت عملی تھی؟ کیا وجہ ہے کہ اب تحریک نفاذ شریعت محمدی کے صوفی محمد صاحب نے اے این پی کی حکومت سے مصالحت اور مفاہمت کر کے جہاد سے دستبردار ہونے کا اعلان کر دیا ہے لیکن ان کے داماد سوات کے مولانا فضل اللہ نے خروج یا جہاد کو جاری رکھنے کا اعلان کیا ہے۔ تحریک نفاذ شریعت محمدی نے جس معاہدے پر دستخط کیے اس کے مطابق مالاکنڈ ڈویژن میں امن امان کی صورت حال کا پرامن ذرائع کے ذریعے حل ناگزیر ہو چکا ہے اور ان حالات میں جب لوگوں کی جان ومال کو لامحدود خطرات لاحق ہو چکے ہیں معاشرے کے تمام طبقوں کی ذمہ داری یہی ہے کہ وہ متحد ہو کر شرپسند عناصر کی سرگرمیوں کا خاتمہ کریں۔ تحریک نفاذ شریعت حکومت کی عمل داری اور امن چاہتی ہے جو لوگ بدامنی پر تلے ہوئے ہیں ان کو مذاکرات کے ذریعے امن کے قیام اور احترام کرنے پر راضی کیا جائے گا تاہم اگر وہ شرپسندی سے باز نہیں آئے تو حکومت ان کے خلاف کارروائی کی مجاز ہو گی سرکاری اہل کاروں خصوصاً پولیس اور سیکوریٹی فورسز پر حملے نہیں کیے جائیں گے سرکاری اہل کاروں کے خلاف کارروائی شریعت اور اسلام کی صریح خلاف ورزی قرار دی گئی شریعت محمدی کے نفاذ کے لیے پرامن جدوجہد ہر مسلمان کا حق ہے اور تنظیم شریعت کے نفاذ کے لیے پرامن جدوجہد جاری رکھے گی تنظیم ریاستی اداروں کے عملی احترام کا اعادہ کرتی ہے [جسارت ۲۲/اپریل ۲۰۰۸] تنظیم شریعت محمدی نفاذ شریعت کو خیر کے منہاج [Paradigm of good] میں رکھنے کے بجائے مغربی فکر وفلسفے اور سیاست کی تقلید میں حق کے منہاج [Paradigm of

[Right] میں لے آئی ہے یعنی نفاذ شریعت الحق اور خیر [Good, Reality] نہیں بلکہ مغربی فلسفے سے نکلنے والا ہر فرد کا ذاتی حق [Personal Right] ہے دوسرے لفظوں میں نفاذ شریعت اجتماعی مسئلہ نہیں ہر فرد کا ذاتی مسئلہ ہے جب بھی ہم کسی شرعی طریقے کو خیر [Good] کے بجائے اپنا حق Right قرار دیتے ہیں تو ہم اسلام کے الحق الکتاب کے تصور کو رد کر کے اجتماعیت سے کٹ کر انفرادی و ذاتی سطح پر آ جاتے ہیں مغرب کے اس منہاج میں آتے ہی اگر آپ کو شریعت کا مطالبہ ذاتی طور پر کرنے کا حق مل جاتا ہے تو اسی کے ساتھ ساتھ اس شخص کو جو شریعت کو ناپسند کرتا ہے خلاف شریعت قوانین کے مطالبے کا حق بھی مل جاتا ہے کیونکہ بنیادی حقوق کے فلسفے کے تحت ہر شہری برابر [Equality] کا حق رکھتا ہے کہ وہ آزاد ہے اور مساوات کے فلسفے کے تحت خیر و شر کا جو تصور رکھنا چاہے رکھ سکتا ہے کیونکہ خیر و شر ریاستی مسئلہ نہیں ہر فرد کا ذاتی معاملہ ہے اور آزادی اظہار رائے کے حق کے باعث کسی فرد کو اگر اسلام کی تبلیغ ذاتی طور پر کرنے کی اجازت ہے تو اسلام مخالف تحریک چلانے کی بھی مکمل آزادی ہے یہ دونوں کا بنیادی حق ہے ایک دین کی مدحت بیان کرے دوسرا دین کی مذمت کرے جدید حکومت و ریاست کا تصور جو جدید مغربی فلسفے سے نکلا ہے وہ یہ ہے کہ ریاست لوگوں کے تصورات خیر و شر کے معاملے میں غیر جانبدار ہے اور کسی تصور خیر کو کسی دوسرے تصور خیر پر فوقیت حاصل نہیں ہے دوسرے لفظوں میں خیر [Good] کوئی مطلق [absolute] چیز نہیں اور اصلاً خیر کچھ نہیں ہوتا لہٰذا جدید ریاست صرف حقوق انسانی کے منہاج میں سرمایہ دارانہ عقلیت کو تصور خیر سمجھ کر اسے نافذ کرتی ہے اور اس کے فروغ کے لئے آزادی [Freedom] کو زیادہ سے زیادہ ممکن بناتی ہے تاکہ تمام تصورات خیر آزادی میں تحلیل ہو جائیں اور صرف سرمایہ کی غلامی قائم رہے ہماری دینی تحریکیں ابھی تک مغرب کے انسانی حقوق کے فلسفے کی اصلیت سمجھنے سے قاصر ہیں اور اس علمیت کے بغیر خواہ مخواہ جہادی جدوجہد شروع کرتی رہتی ہیں اور پھر پسپائی کے بعد مغربی شرائط پر بخوشی راضی ہو جاتی ہیں صوفی محمد صاحب کی تنظیم نے سرکاری اہل کاروں پر حملوں اور عسکری کوششوں کے ذریعے جدوجہد کی کھلی مذمت کی معاہدہ کے آغاز میں خود کش حملوں کے ذریعے سرکاری عمارات، اہلکاروں پر حملوں کو شریعت اور بنیادی انسانی حقوق کے منافی قرار دیا ہے۔ تنظیم کے سربراہ صوفی محمد نے رہائی کے بعد گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ ہم تنازعات اور اختلافات کو گفتگو کے ذریعے حل کریں گے اس معاہدے پر تنظیم کے مالاکنڈ کے امیر مولانا محمد عالم، ضلع سوات کے ناظم مولانا عبدالحق، بالائی دیر سے مولانا بادشاہ زیب، بونیر سے مولانا سالار خان اور باجوڑ سے ڈاکٹر اسماعیل اور مالاکنڈ سے ملتان میر نے دستخط کیے [ڈان ۲۲/اپریل ۲۰۰۸ء] اگر دین اور شریعت میں صوفی محمد صاحب کے اختیار کردہ طریقوں کی گنجائش نہیں تھی تو صوفی صاحب نے یہ راستہ کس علمیت کی بنیاد پر اختیار فرمایا تھا اگر اب راستے بند کرنا، سڑکوں پر دھرنا دینا، لوگوں پر حملے کرنا، تشدد اور مطالبوں کے ذریعے شریعت کے نفاذ کا خواب دیکھنا اور دکھانا غیر اسلامی عمل ہے تو گزشتہ کئی برسوں تک جو کچھ صوفی صاحب کرتے رہے اس کے اسلامی عمل ہونے کی کیا سند تھی؟ یہ کیسی علمیت ہے جو حالات کے تقاضوں کے مطابق اپنا قبلہ لمحوں میں تبدیل کر لیتی ہے یہ انقلابیت ہے یا سیمابیت۔ جس کا دل چاہے ایک لشکر بنا کر دو بندوقیں اٹھا کر چند ہزار مجمع اکٹھا کر کے لوگوں کی جان و مال سے شریعت کے نام پر کھیلنا شروع کر دے اور پھر اپنی ہی ساختہ شریعت سے کھلم کھلا انحراف بھی کر دے یہ کس قسم کا رویہ ہے؟ غازی عبدالرشید صاحب نے ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ کا مطالبہ۔ مساج سینٹروں کی بندش، سی ڈیز پر پابندی اور مساجد کے انہدام کے خاتمے کے مطالبات کئے تھے اور لڑکیوں کے جلوسوں اور جلسوں کے ذریعے خروج کے پہلے مرحلے کا اعلان کیا تھا۔ ڈاکٹر جاوید اکبر انصاری کے مطابق لال مسجد تحریک کے تین مقاصد تھے: ۱۔ نظام اسلامی کا قیام و استحکام ۲۔ فواحش و منکرات اور نواہی کا انہدام ۳۔ مساجد و مدارس کا فروغ اور ان کا دفاع ان مقاصد کے حصول کے لیے دو طریقے اختیار کیے گئے۔ ۱۔ کافرانہ نظام اقتدار اور استعمار کی آلہ کار انتظامیہ اور فوج سے تصادم جو چھ ماہ جاری رہا۔ ۲۔ متبادل نظام اقتدار کی تشکیل جس کے ذریعے ایک معاشرتی صف بندی کا قیام ممکن ہوا [تحریک لال مسجد اور اسلامی انقلاب ص ۳۳۔۳۱] لیکن خروج کے آخری مرحلے میں جو معاہدہ مفتی رفیع عثمانی، زاہد الراشدی اور چوہدری شجاعت کے ذریعے غازی عبدالرشید صاحب نے منظور کیا تھا اس معاہدے میں اسلامی نظام کا مطالبہ، سی ڈیز کی بندش آنٹی شمیم

جیسی عورتوں کی حرکات، مساج سینٹر پر پابندی، مساجد کے انہدام کا انسداد اور اسلامی نظام کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں لکھا گیا تھا نہ اس بارے میں یک لفظی مطالبہ اس معاہدے میں شامل کیا گیا اس تین نکاتی معاہدے کے الفاظ غازی عبدالرشید کے قلم سے یہ تھے ''عبدالرشید غازی کو ان کے خاندان اور ذاتی سامان سمیت ان کے آبائی گاؤں [روجھان ڈیرہ غازی خان] میں منتقل کر دیا جائے اور ان کی گرفتاری یا نظر بندی نہ کی جائے ۲ جامعہ حفصہ اور لال مسجد میں مقیم طلباء وطالبات اور دیگر افراد میں سے کسی کو لال مسجد اور جامعہ حفصہ کے تنازع کے حوالے سے درج کسی مقدمے میں گرفتار نہ کیا جائے البتہ ان میں سے کوئی فرد لال مسجد کے تنازع سے پہلے کے کسی کیس میں مطلوب ہے تو اس کی گرفتاری پر انہیں کوئی اعتراض نہیں ۳۔ جامعہ حفصہ اور جامعہ فریدیہ کا نظم وفاق المدارس کے سپرد کر دیا جائے اور لال مسجد کا انتظام محکمہ اوقات کے حوالے کر دیا جائے'' [جامعہ حفصہ کا سانحہ زاہد الراشدی، ص ۵۴] اس سہ نکاتی معاہدے میں اسلام، شریعت مساجد، عریانی وفحاشی کا انسداد، اسلامی ریاست کا قیام، دین کے بول بالا کرنے کے لیے ایک سطر تو کیا ایک حرف، ایک لفظ اور ایک شوشہ بھی شامل نہیں کیا گیا قرآن وسنت اجماع اور قیاس سے مکمل انحراف، اور اس کے بعد ان کے اپنے فلسفے کے تحت کفر کی مرتکب حکومتوں سے غازی عبدالرشید اور صوفی محمد کے ان معاہدوں کے نتیجے میں کیا یہ بات واضح نہیں ہوتی کہ امت کے اجماع سے انحراف کرنے والے گروہ ہمیشہ ایک احتجاجی نعرے کے طور پر زندہ رہتے ہیں اور نتائج کے اعتبار سے دین کے لیے ہونے والی تمام مثبت، عمدہ اور بہترین کوششوں کو اپنے رنگ میں ڈھال کر متشدد بنانے کی طاقت ور ترین کوشش بن جاتے ہیں اس قسم کی تحریکیں اہل دین کو تقویت دینے کے بجائے اہل دین میں تفرقہ ڈالتی ہیں اور دین کے بارے میں انگشت نمائی کے مواقع ہر ایک کو فراہم کرتی ہے۔ اس پس منظر میں کیا معترضین کی یہ بات وزنی ہے کہ یہ تحریک چلی نہیں چلائی گئی، برپا نہیں ہوئی برپا کرائی گئی کیونکہ اتنے بڑے دعووں کے ساتھ اٹھنے والی اس تحریک کی نہ کوئی علمیت تھی نہ اساس یہ تحریک میڈیا کے سہارے اپنے وجود کو برقرار رکھے ہوئے تھی جیسے ہی یہ سہارا ختم ہوا اس کی طاقت زائل ہو گئی اس نقطۂ نظر کا پہلا اہم محققانہ اور ناقدانہ جائزہ۔

[۵] ڈاکٹر جاوید اکبر انصاری کے اس موقف کا جائزہ کہ ''تحریک لال مسجد کا طریقہ کار بالکل درست تھا۔ اور تحریک لال مسجد کو کامیاب بنانا ہمارا فرض ہے'' امت مسلمہ کے کاندھوں پر اس نئے دینی فریضے کی ذمہ داری عائد کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب کا واحد استدلال یہ مصرع ہے کہ ''حقیقت ازلی ہے مقام شبیری'' مقام شبیری کی شعری توجیہہ کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب اس تاریخی حقیقت کو فراموش کر گئے کہ خروج کے لئے سیدنا حسینؓ سے استدلال کی کوئی علمی بنیاد نہیں ہے کیونکہ حضرت حسینؓ نے کربلا پہنچنے کے بعد اصل صورت حال سے آگاہ ہوتے ہی خروج ملتوی فرما دیا تھا اور لشکر یزید کے ذمہ داروں سے کہا تھا کہ انھیں واپس جانے دیا جائے یا خلیفہ وقت سے ملاقات کے لئے سفر کی اجازت دی جائے جب حضرت حسینؓ نے حالات، حقائق، اسباب تبدیل ہونے پر خروج منسوخ فرما دیا تو اس سے جامعہ حفصہ کے خروج کے لیے استدلال ایک بے بنیاد معاملہ ہے۔ خروج منسوخ ہونے کے بعد جب سیدنا حسینؓ پر سازش کے تحت جنگ مسلط کی گئی تو آپ نے ایک بہادر مومن کی طرح مردانہ وار میدان میں نکل کر مقابلہ کیا لہٰذا خروج سیدنا حسینؓ سے خروج غازی رشید کو تشبیہہ دینا ناانصافی اور اپنی تاریخ کا خود مذاق اڑانے کے مترادف ہے۔ ڈاکٹر انصاری نے جس نئے دینی فریضے کا حکم شریعت، قرآن و سنت اجماع اور قیاس سے اخذ کیا ہے اس کے شرعی دلائل اپنے مضمون میں سہواً بیان نہیں کئے ہماری ناقص رائے میں ڈاکٹر صاحب عالم دین نہیں ہیں جس کا بار بار برملا اعتراف وہ علماء کرام کے سامنے اور اپنی تحریروں میں بارہا کر چکے ہیں لہٰذا ڈاکٹر صاحب اس اعتراف عجز کے بعد کسی حکم کے فرض، واجب، مستحب ہونے کا تعین کرنے کے سرے سے مجاز ہی نہیں ہیں۔ یہ علماء کی ذمہ داری ہے کہ وہ ماخذات دین سے احکام اخذ کر کے اس معاملے کی اصل صورت حال سے عوام کو اور ڈاکٹر صاحب کو آگاہ کریں علوم اسلامی پر عبور کے بغیر جب بھی دین کا کوئی انتہائی مخلص ترین شخص بھی انقلابی فتوے دے گا تو ایسے فتوے افراط وتفریط میں اضافے کا سبب بنیں گے اور وحدت امت کو مزید پارہ پارہ کرنے کا باعث ہوں گے۔ دینی امور میں کلام کرنا صرف اور صرف علماء کرام کی ذمہ داری ہے وہ اخذ احکامات کا شرعی علم

رکھتے ہیں اور وہی شرعاً اور عقلاً اس بات کے مکلّف ہیں کہ عوام الناس کو بتاسکیں کہ تحریک لال مسجد کا طریقہ کار درست تھا یا غلط تھا اور اس تحریک کو کامیاب بنانا فرض ہے یا نہیں ہے؟ دین میں کسی فریضے کا اضافہ کرنا بدعت اور بہت بڑی جسارت ہے دین مکمل ہو چکا ہے اور اس میں کسی نئے فریضہ کا اضافہ ممکن نہیں۔ خروج فرائض دینی میں شامل ہے یا نہیں اس فریضے کا اطلاق کب کس وقت کس کس طرح ہوگا آیا یہ فریضہ لازمی ہے یا فرض کفایہ ہے یا یہ جہاد کی طرح صرف ان لوگوں پر فرض ہے جو اسباب جہاد اور قوت جہاد رکھتے ہوں اس کا تعین کئے بغیر پاکستان کے تمام لوگوں کو یہ شرعی حکم دینا کہ تحریک لال مسجد کو کامیاب بنانا ہمارا فرض ہے اور ہر مسجد کو لال مسجد بنانا اور ہر مدرسے کو جامعہ حفصہ بنانا عصر حاضر کا تقاضہ دینی ذمہ داری وقت کی پکار قرار دینا بہت بڑی جسارت ہے۔ یہ پورا تصور نہایت اخلاص و درد مندی کے ساتھ فوری غلبہ دین کی بے پناہ خواہش نفس کی بے تابی پر کھڑا ہے اور اسلام کی پندرہ سو سالہ علمیت کا رد ہے دین کسی دینی خواہش نفس کا نام نہیں اسے دین کے تابع کر دینے کا نام ہے خواہ یہ خواہش کتنی ہی نیک پاکیزہ طاہر اور طیب ہی کیوں نہ ہو دین کا غلبہ اسی طریقے سے ہوگا جس طرح اللہ کے رسول نے اور امت کے تعامل نے اجماع کے ذریعے بتایا ہے اس کے سوا دین کے نفاذ کا کوئی طریقہ درست نہیں ہے خواہ نیت کتنی ہی نیک کیوں نہ ہو۔ موجودہ حالات میں خروج یا جہاد جائز ہے یا نہیں خروج کی مطلوبہ شرائط پوری کر لی گئی یا نہیں؟ مطلوبہ طاقت و استعداد میسر ہے یا نہیں یہ تمام امور دینی مسئلے سے متعلق ہیں لہٰذا اس کا فیصلہ علمائے کرام ہی کریں گے ڈاکٹر صاحب کا فرض یہ ہے کہ وہ علماء کی تقلید فرمائیں نہ کہ اپنے جذبۂ انقلاب کی تقلید۔ ان کے اخلاص تدین، تقویٰ، دین کے لئے تڑپ اور بے قراری میں کوئی شبہ نہیں وہ عالم اسلام کی بہت بڑی میراث ہیں جس پر عالم اسلام کو فخر ہے لیکن اس عظمت، شکوہ، کمال اور شوکت کے باوجود ہم ڈاکٹر صاحب کے اجتہادات کو امت کے لیے حجت نہیں سمجھتے اور ان کی خدمت میں ادب سے دست بستہ یہی عرض کریں گے کہ وہ اس معاملے میں اجتہاد کے بجائے تقلید کی روش اختیار فرمائیں حضرت عمرؓ کے قاتل کو ان کے صاحبزادے نے قتل کر دیا قاتل کا جرم ثابت شدہ تھا عینی شہادتیں موجود تھیں اس معاملے میں دو رائیں نہیں تھیں لیکن اس کے باوجود حضرت عثمانؓ نے قاتل کے بیٹے کو قصاص لینے کی اجازت دی اور حضرت عمر کے صاحبزادے کو اس جرم کے ارتکاب پر کوئی رعایت نہ دی حالانکہ قاتل کا انجام چند دنوں بعد وہی ہوتا جو حضرت عمرؓ کے صاحبزادے کے ہاتھوں قبل از وقت اپنے انجام کو پہنچا تھا دین کا کوئی کام اس کے مقررہ طریقے سے ہٹ کر قبل از وقت انجام دینا اللہ اور اس کے رسول کے بتائے ہوئے راستے کو ترک کر کے عجلت میں دینی تڑپ کے باعث [Short cut] راستہ اختیار کرنا شریعت کو مطلوب نہیں۔ دین کا جو کام جس طرح ہوتا ہے وہ اسی طریقے اسی راستے اور اسی وقت انجام دیا جائے گا یہ ممکن ہی نہیں کہ کوئی شخص اللہ اور اس کے رسول کی شریعت کا ان دونوں سے زیادہ خیر خواہ ہو ایسی خیر خواہی دین کے تحفظ کے لئے نہیں دین میں بدعت و تحریف کا سبب بنتی ہے شریعت جذباتی بیانات اور خواہشات نفس کے وجوب طلوع اور نفاذ کا نام نہیں وہ اپنے آپ کو شریعت کے سپرد کر دینے اور اس کے حضور لذت حضوری حاصل کرنے کا نام ہے۔ ڈاکٹر انصاری صاحب نے اپنے مضمون میں لال مسجد تحریک کی حمایت کرتے ہوئے استدلال کی عمارت اس اصول پر کھڑی کی ہے کہ ''غازی عبدالرشید نے دستوریت اور جمہوریت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور مغربی سیاسی حکمت عملی کو عملاً رد کر کے شہادت حق کا فریضہ انجام دیا اور اپنی قربانی سے ثابت کر دیا کہ وہ نفاذ شریعت محمدی کی راہ میں نہ جمہوریت کو حائل ہونے دیں گے نہ دستور کو نہ پاکستانی ریاست کو اور اس مقصد کے حصول کے لئے کافرانہ نظام اقتدار اور اس کی آلہ کار فوج انتظامیہ اور پارلیمنٹ سے ٹکرانے کی ہمت اور حوصلہ رکھتے ہیں۔ [تحریک لال مسجد اور اسلامی انقلاب ص۳۲] ڈاکٹر صاحب کا یہ استدلال بھی درست نہیں ہے کیوں کہ اسی کتابچے کے پشت کے سرورق پر غازی عبدالرشید کی یہ وصیت درج ہے کہ ''ہم ملک میں اسلام کا نظام عدل، شرعی قوانین کا نفاذ چاہتے ہیں تاکہ غریب عوام کو روٹی ملے انصاف ملے ان سب مسائل کے حل کے لیے اسلامی نظام کا عملی نفاذ واحد ذریعہ ہے یہ اللہ تعالیٰ کا حکم بھی ہے اور آئین پاکستان کا تقاضہ بھی [وصیت در کتابچہ تحریک لال مسجد اور اسلامی انقلاب] اللہ کے حکم اور آئین پاکستان کے تقاضے کو یکساں قرار دینا اور نفاذ شریعت کا مقصد روٹی کپڑا مکان کی فراہمی تک محدود کر کے غازی عبدالرشید

صاحب نے دستوریت جمہوریت استعماریت سرمایہ داری سب کی تائید وتصدیق وتوثیق کردی ڈاکٹر انصاری صاحب کی نہایت منفرد اور نادر تحقیق کے مطابق دنیا بھر میں دستوریت [constitutionalism] سرمایہ دارانہ کافرانہ ریاست کوتحفظ دینے کا موثر ذریعہ ہے اور دستوریت بنیادی حقوق کے ذریعے فرد معاشرت ریاست کی سطح پر آزادی، آزاد معیشت اور جمہوریت کے ذریعے دین اور شریعت کا خاتمہ کردیتی ہے۔لیکن ان کے ممدوح غازی عبدالرشید تو آئین پاکستان کو ایک درست دستاویز تسلیم کررہے ہیں اگر آئین درست ہے تو پھر وہی جدوجہد درست ہوگی جو آئین کے دائرے میں رہ کر کی جائے۔ آئین کا حوالہ دے کر آئین کی خلاف ورزی تو دستوریت کا کفر ہے جس پر ایمان ہے اس کا کفر کیا جارہا ہے ڈاکٹر انصاری صاحب کے کتابچے کے ص ۷ پر مولانا عبدالعزیز کا یہ بیان بھی درج ہے ''پورے ملک میں سلامی نظام نافذ کردیا جائے یہ مطالبہ آئینی بھی ہے اور شرعی بھی'' جبکہ ڈاکٹر صاحب دستور اور آئین کو شریعت کا متضاد قرار دیتے ہیں غازی عبدالرشید کا خروج فرد کے خلاف تھا سرمایہ دارانہ نظام جمہوریت اور دستوریت کے خلاف نہیں تھا جس کی ضرورت تھی اصل نظام کو باقی رکھنا اور صرف چہروں کے خلاف خروج کرنا کیا درست رویہ ہے؟ دستوریت اور بنیادی حقوق کی بنیاد پر جدوجہد کرنے والوں کو دستوریت اور بنیادی حقوق کا مخالف کیسے قرار دیا جاسکتا ہے جن قائدین کو یہی نہیں معلوم کہ بنیادی حقوق کا فلسفہ کیا ہے جو امریکی دستوریت کی حقیقت، دنیا بھر میں دستوریت کے آغاز، بنیادی حقوق کے ماخذ فیڈرلسٹ پیپرز [Fedralist papers] اور امریکی دستور کے مباحث سے بالکل ناواقف ہیں ان کو قتیل دستوریت قرار دینا کہاں کا انصاف ہے جو لوگ دستوریت جمہوریت اور بنیادی حقوق کو عین اسلامی سمجھتے ہیں اور اس کی روشنی میں مطالبہ نظام اسلامی آئینی حق تسلیم کرتے ہیں وہ آخر کس کے خلاف خروج کررہے ہیں اپنے مسلمات کو تسلیم کرنے والی ریاست کے خلاف یعنی اپنے ہی موقف کو اپنی تلواروں سے قتل کررہے ہیں کیا یہ علمیت خروج کی متحمل ہوسکتی ہے کیا علمیت کے بغیر جہاد یا خروج شریعت سے ثابت کیا جاسکتا ہے؟ ایک فقیہہ نے سیدنا حسینؓ کے خروج پر جو منسوخ ہوگیا تھا تاریخی حقایق کو مسخ کرتے ہوئے یہ فتویٰ دیا تھا کہ ''سیدنا حسینؓ اپنے نانا کی تلوار سے قتل ہوئے'' ابن خلدون نے اس مفروضے کی دھجیاں اڑادی ہیں جاوید غامدی صاحب بھی اسی نقطۂ نظر کے حامل ہیں کہ سیدنا حسینؓ نے نظم حکومت کے خلاف جہاد کیا لہٰذا ان کا قتل ایک باغی کا قتل ہے یہ جھوٹ فساد اور شرانگیزی ہے سیدنا حسینؓ کی شہادت کا بغاوت اور خروج سے کوئی تعلق نہیں لیکن غازی عبدالرشید نے تو آئین اور دستور کی شریعت کو تسلیم کیا لیکن اسی دستوریت کے خلاف تلوار اٹھائی لہٰذا وہ اسی تلوار کی زد میں آگئے جب آپ دستوریت اور آئین کی پاسداری کی بات کرتے ہیں تو اس مغربی منہاج میں مسلح جدوجہد حرام ہوجاتی ہے جب تک اس دستوریت کا انکار نہ کیا جائے اور اسلامی علمیت خروج وجہاد کی مکمل تقلید نہ کی جائے کسی عسکری جدوجہد کی کوئی دینی اہمیت باقی نہیں رہتی اگر دینی تحریکیں ہی دین کے اصول وماخذات کو پامال کردیں تو پھر باقی کیا رہ جاتا ہے؟ ایک اہم جائزہ۔

[۶] اس نقطۂ نظر کا جائزہ کہ علماء کرام نے نصوص صریحہ کی روشنی میں جامعہ حفصہ کی تحریک کا مکمل جائزہ لینے اور اس تحریک کے اغراض و مقاصد، علیہ وما علیہ، پس منظر پیش منظر، تہہ منظر پر ناقدانہ نظر ڈالنے کے بجائے اسے ایک اُبال، ایک بلبلے اور ایک شور کے طور پر لیا جہاد اور خروج کے معاملات کی روشنی میں علمی بنیادوں پر اس تحریک کی حقیقت دو اور دو چار کی طرح واضح کرنے کے بجائے دو عملی کی حکمت اختیار کی ایک طرف یہ کہا کہ مقاصد درست ہیں طریقہ کار غلط ہے علماء کرام اس موقع پر حضرت علیؓ کا یہ قول بھول گئے کہ ''کلمہ حق ہے مقصد باطل ہے'' اگر وہ اس حکیمانہ جملے کو پیش نظر رکھتے اور اس کے مطابق لائحہ عمل بنا کر ایک مضبوط علمی موقف اختیار کرتے تو ان کی عزت میں اضافہ ہوتا وہ اس برپا کرائی گئی تحریک سے لاتعلق ہوکر یہ سمجھے کہ ان کا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں حالانکہ اہل دین کے نام پر جب بھی کوئی کار خیر یا کار شر انجام دیا جائے تو اس کے ثمرات اور اس کا ملبہ دونوں اہل دین کے حصے میں آتے ہیں اگر جامعہ حفصہ کی تحریک کی مخالفت ضروری تھی اور یقیناً بالکل ضروری تھی تو کھل کر کی جاتی اور حمایت کرنا تھا تو واضح طور پر حمایت کے شرعی دلائل دیے جاتے علماء کرام نے اس مسئلے کو معمول کے ایک ہنگامے کے طور پر لیا وہ اس کے پس پردہ اصل محرکات اور مضمرات سے لاتعلق رہے اور اسی گمان میں رہے

کہ یہ معاملہ خود ختم ہو جائے گا اگر علماء کرام اصل مسئلے کا گہرائی سے ادراک کرتے تو وہ ایک لاکھ لوگوں کو جمع ہونے کا حکم دیتے اور حکومت کو مجبور کرتے کہ وہ ایک شخص کی خاطر سینکڑوں لڑکیوں لڑکوں کو قتل کرنے کی کوشش نہ کریں وہ غازی عبدالرشید کو مظلوم بننے سے بچانے کے لئے متحرک ہوتے اور مظلوم بچوں و بچیوں کے تحفظ کے لئے آہنی دیوار بن کر کھڑے ہو جاتے تو یہ افسانہ بھی واضح ہو جاتا اور مظلوم بچیوں کو بھی اس طرح بے دردی سے قتل نہیں کیا جا سکتا تھا لیکن علماء کو ان کے قریبی سرکاری مقتدیوں نے جان بوجھ کر یہ جھوٹی اطلاعات پہنچائیں کہ کچھ نہیں ہو رہا سب ٹھیک ہو جائے گا آپ مطمئن ہو جائیں اس سے زیادہ افسوسناک بات یہ تھی کہ جب حکومت آخری آپریشن کا فیصلہ کر چکی تھی تو علماء کو بدنام کرنے کے لیے ایک منصوبے کے تحت انھیں مذاکرات کے لیے اسلام آباد بلایا گیا تا کہ عوام کو بتایا جائے کہ حکومت نہایت مخلص ہے علماء کرام اس چال کو بھی اپنی سادہ لوحی کے باعث سمجھنے سے قاصر رہے اگر وہ جامعہ حفصہ کے اندر چلے جاتے یا وہاں سے آخری فیصلے سے پہلے واپسی سے انکار کر دیتے اور عوام کو جامعہ حفصہ یں جمع ہونے کا حکم دیتے اور اس مسئلے کو اپنے طور پر نمٹانے کی تدبیر کرتے تو نہ یہ خون خرابہ ہوتا اور نہ ہی اس کی آڑ میں علماء کو ذلیل کرنے بدنام کرنے اور ان کو تفرقہ میں مبتلا کرنے کی حکمت عملی کامیاب ہوتی۔ یا تو علماء کرام اس معاملے سے بالکل الگ ہو جاتے یا دو عملی کی حکمت اختیار نہ کرتے اس کے نتیجے میں امت کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا اور دین کے دشمنوں کو اہل دین پر ہنسنے کا موقع ملا اور دینی حلقوں کی صف میں انتشار پیدا ہوا صحیح وقت پر صحیح فیصلہ نہایت ضروری ہے اس نقطۂ نظر کے موافق اور مخالف آراء کا پہلا مفصل اور مدلل جائزہ۔

[۷] کتابچہ ''تحریک لال مسجد اور اسلامی انقلاب کے صفحہ ۲۳/۲۴ پر استاذ مہدی معاویہ صاحب نے لکھا ہے کہ کافرانہ قانون اور آئین کا بت پاش پاش کرنا واجب ہے اس قانون کفر کو تسلیم کرنا کفر اور ظلم اور فسق ہے شریعت اسلامیہ کے سوا باقی تمام قوانین طاغوت ہیں طاغوت کی پیروی منافقت اور گمراہی ہے شریعت اسلامیہ کے سوا کسی قانون کی پیروی پر ٹھکانہ جہنم ہے'' مذکورہ مفتی صاحب اور مصنف محترم نے یہ خیال نہیں فرمایا کہ ان کے فتوے کی تمام تر زد خود ان کے ممدوح پر پڑ رہی ہے جو آئین پاکستان، دستور پاکستان کی شریعت کے گن گا رہے ہیں آئین کو عین اسلامی قرار دے کر آئینی تقاضے کے تحت اسلام نظام کے نفاذ کا مطالبہ کر رہے ہیں اور اسی شریعت کے اصولوں کے خلاف جہاد بھی فرما رہے ہیں اپنے فتوے میں انھوں نے علماء پر جو دشنام طرازی کی ہے افسوس کہ وہ اس کی ٹھوس، مدلل، شرعی، فقہی، علمی بنیادیں مُہیا کرنے سے قاصر ہیں فتوے اور خطابت میں فرق ہے علماء کو جہنم کا مژدہ سنانے والوں کو جرات کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنا تشخص بھی واضح کرنا چاہیے۔ استاذ معاویہ نے تمام علماء کو جو اس تحریک کے مخالف ہیں جہنمی قرار دیا ہے مہدی معاویہ صاحب لکھتے ہیں کہ ''تحریک لال مسجد کے سلسلے میں خروج کی بحث لایعنی ہے کیونکہ بحث اٹھانے والے موجودہ حالات کے بگاڑ اور سرمایہ دارانہ اقتدار کی ماہیت اور کیفیت و کمیت کو سمجھے بغیر خروج کو ناجائز قرار دے رہے ہیں'' لیکن استاذ معاویہ لال مسجد تحریک کے رہنماؤں کے بارے میں ایک حوالے سے بھی یہ ثابت نہیں کر سکتے کہ غازی رشید یا مولانا عبدالعزیز سرمایہ دارانہ ریاست کے اقتدار و ماہیت کے بارے میں کیا جانتے ہیں ان سادہ لوح علماء کو کچھ بھی پتہ نہیں تھا استاذ معاویہ نے علماء کو طعنہ دیا ہے کہ وہ جہاد و شہادت سے بچنے کے لیے بہانے تلاش کر رہے تھے [ص ۲۶] ان کا حکم ہے یا فتویٰ کہ علماء جہاد و شہادت کا راستہ اختیار کریں اور لال مسجد تحریک کے موقف اور طریق کار کی تائید کریں کیونکہ غازی رشید کے لہو اور ان کی قبر سے مہکنے والی خوشبو منزل اور راہ منزل کا پتہ دیتی ہے اور اس تحریک کے حق ہونے کی گواہی معصوم طلبہ و طالبات کے پاکیزہ معطر لہو نے بھی دی ہے [ص ۲۷] علماء کو شہادت و جہاد کا قلمی درس دینے والے استاذ معاویہ خود لال مسجد کے قافلہ حسینی میں شامل ہو کر شہادت کی لذت سے ہمکنار ہو سکتے تھے یقیناً وہ اس قافلہ حسینی میں کسی عذر شرعی کی بناء پر شامل نہیں ہوئے تو علماء پر نقد کا کیا جواز ہے قرآن کے الفاظ میں اے ایمان والو تم وہ باتیں کیوں کہتے ہو جس پر خود عمل نہیں کرتے فتوے کی زبان اس قدر جذباتی اور ہیجان انگیز نہیں ہوتی۔ فقہ اور شریعت کے فیصلے اگر ان جذباتی بیانات کی بنیاد پر دیے جائیں تو علوم اسلامی کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی پھر ہر شخص مفتی کا منصب سنبھال لے، دین اور شریعت نے اللہ کی راہ میں شہادت پیش کرنے کے بھی طریقے

متعین کئے ہیں شریعت نے شہادت اور خودکشی میں بھی فرق کیا ہے علماء کرام اگر لال مسجد تحریک کو درست نہیں سمجھتے تو اس کا استدلال وہ رکھتے ہیں لہٰذا علماء کو جہاد و شہادت سے بھاگنے کا طعنہ دینا بہت بڑی جسارت ہے یہ علماء ہی تھے جنھوں نے ۱۸۵۷ء میں جہاد کے فتوے دیے اور تاریخ کے مطابق ۸۰ ہزار علماء کو جام شہادت نوش کرنا پڑا۔ جس طبقے نے صرف ایک صدی پہلے اسّی ہزار نفوس کی قربانی پیش کی ہو اس طبقہ علماء کو بزدل، کم زور، نامرد، قرار دینا شرمناک جسارت ہے ڈیڑھ صدی کے تجربات کے بعد علماء کرام محتاط ہیں اور ہر قدم پھونک پھونک کر رکھ رہے ہیں دین صرف ہمت مردانہ، جرات رندانہ اور نعرہ مستانہ کا نام نہیں ہے کہ استاذ ابو معاویہ کی خطابت سے متاثر ہو کر آتش فشاں میں چھلانگ لگا کر اپنے ایمان کا ثبوت دیا جائے علماء کو اپنے ایمان کی شہادت پیش کرنے کے لیے کسی ایسے عمل کی ضرورت نہیں جس سے استاذ معاویہ خوش ہو جائیں۔ استاذ مہدی معاویہ اگر مفتی ہیں تو اپنے فتوے کی علمی دلیل بیان کریں تاکہ ان سے مکالمہ کیا جا سکے غائب از نظر مفتی کا کردار ادا کر کے علماء کو گالیاں دینا محض جدیدیت ہے اور جدیدیت اس عہد کا سب سے بڑا شرک، ظلم ،عصیان، طغیان اور عدوان ہے اس میں کیا شبہ ہے کہ جدیدیت کے خلاف جہاد امت مسلمہ کا دینی فریضہ ہے خصوصاً اس جدیدیت کے خلاف جو دین کا لبادہ اوڑھ کر سامنے آتی ہے اپنی خواہش نفس کو دین کے تابع کرنا ہی تقاضائے دین ہے نہ کہ اپنے مطلوبہ مقاصد و نتائج کے لیے شریعت اور مقاصد شریعت کو اپنے نفس کے تابع کرنا لال مسجد کے پڑھے لکھے فلسفی حامیوں کے دلائل کا اجماع امت کی روشنی میں پہلا مفصل جائزہ۔

[۸] مولانا عبدالعزیز نے ایک خط کے ذریعے علماء کو اپریل ۲۰۰۷ء میں نفاذ اسلام کانفرنس میں شرکت کی دعوت دی اور خط میں لکھا کہ ”جہاد کا راستہ اختیار نہ کرنے کی وجہ سے آج تک کماحقہ نتائج نہ مل سکے لہٰذا اسلام آباد پہنچیں پولیس والوں سے تھوڑی بہت مزاحمت کریں لیکن اتنی مزاحمت نہیں کہ جس سے جان کو خطرہ ہو اس کی نسبت ہم جیل جانا اختیار کریں۔ اور وہاں جہاد کی فضا بنائیں [ص ۲۱، ص ۲۲ جامعہ حفصہ کا سانحہ زاہد الراشدی] سوال یہ ہے کہ جہاد کے اعلان کے بعد ان کے اپنے فلسفے کے مطابق کفر بواح کا ارتکاب کرنے والوں سے مذاکرات کیوں؟ رہائی کے لیے محفوظ راستے کے مطالبات کیوں؟ جہاد کے لیے جیل جانا ضروری تھا تو غازی عبدالرشید صاحب اپنی ہی جیل میں کیوں محصور رہے مولانا عبدالعزیز کے فتوے پر عمل کرتے ہوئے خود کو حکومت کے حوالے کر دیتے جیل چلے جاتے اور وہاں جہاد کی فضاء بناتے۔ اپنے فتوے پر خود عمل سے احتراز کی کیا توجیہ کی جا سکتی ہے؟ جامعہ حفصہ پر شائع ہونے والی دو اہم تحریروں جامعہ حفصہ کا سانحہ مرتبہ ابو عمار زاہد الراشدی اور تحریک لال مسجد اور اسلامی انقلاب مرتبہ استاذ مفتی مہدی معاویہ کا ناقدانہ جائزہ ان دونوں تحریروں میں موجود افراط و تفریط کی وضاحت اور موجودہ حالات میں اسلامی انقلاب برپا کرنے کی حکمت عملی کا مکمل خاکہ قرآن سنت اجماع قیاس اور تعامل امت کی روشنی میں۔

[۹] قومی اتحاد، متحدہ شریعت محاذ، تحریک لال مسجد، ایم ایم اے اور تحریک نفاذ شریعت محمدی حکومت سے اسلامی نظام کے نفاذ کے معصومانہ مطالبے وقتاً فوقتاً کرتے رہے ہیں کیا دنیا کی تاریخ میں کبھی نظام کفر و طاغوت نے اسلام نافذ کیا یا مسلمانوں کے ائمہ نے کبھی نظام طاغوت اور کفر بواح کی مرتکب حکومتوں سے دین کے نفاذ کے مطالبات کئے؟ اس قسم کے سادہ لوح مطالبوں کا ایک جواب ذوالفقار علی بھٹو نے ۱۹۷۷ اور دوسرا جواب صدر ضیاء الحق نے ۱۹۸۰ء میں دیا یعنی شراب، جواء، گھڑ دوڑ پر پابندی اور جمعہ کی چھٹی کا اعلان کر دیا گیا اور جنرل ضیاء الحق نے اسلامی نظام کے قیام کا اعلان کر کے شریعت کورٹ بھی قائم کر دی لیکن عملاً کیا ہوا یہ پوری دنیا کو معلوم ہے اگر اسلامی نظام صرف مطالبوں سے اور کفر بواح کے مرتکب حکمرانوں کے ذریعے نافذ ہونے کی چیز ہوتا تو استخلاف فی الارض کا وعدہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں سے نہیں فرماتے۔ اس وعدے کو مشروط کر دیتے کہ ”ہم اپنے نیک بندوں سے دین کے غلبے کا وعدہ کفر بواح کے مرتکبین کے ذریعے ممکن بنا دیں گے“۔ اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے صرف مطالبے صرف جلسے صرف جلوس ضروری نہیں نظام اسلامی قائم کرنے کے لئے دین دار قیادت کا وجود بھی ضروری ہے۔ ایسی قیادت جو زہد، تقویٰ، للہیت میں اپنی مثال آپ ہو جس قیادت کے تقویٰ

کی تشہیران کی جماعت کے لوگ ان کے پروردہ صحافی، اخبار، رسالے نہ کریں بلکہ دشمن ان کی جرات عظمت کردار اور ایمان کی گواہی دے اسلامی نظام ان لوگوں کے ہاتھوں سے رائج ہونا چاہیے جو فسق و فجور سے مبرا ہوں اور حکمت بالغہ کی صفت بھی رکھتے ہوں ورنہ اسلامی نظام ذوالفقار علی بھٹو اور ضیاء الحق کی طرح فسق و فجور میں اضافے کے لیے استعمال ہونے لگتا ہے۔ دنیا کے مختلف ملکوں میں اسلامی نظام کے تجربات اور وہاں کی اسلامی تحریکوں کی ان تجربات میں شمولیت اور عبرتناک شکست کا مفصل جائزہ پہلی بار۔ [۱۰] جماعت اسلامی کے مخلصین اور حامیوں کے اس نقطۂ نظر کا ناقدانہ جائزہ کہ جماعت اسلامی میں نہایت خاموشی کے ساتھ دبے پاؤں در آنے والی جدیدیت مسلسل بال و پر پیدا کر رہی ہے جماعت نے اپنا پہلا اخبار ''تسنیم'' نکالا تو اس میں کسی کی تصویر شائع نہیں کی جاتی تھی۔ ایک مرتبہ غلطی سے اشتہار میں بلی کی تصویر چھپ گئی تو مرکز جماعت سے ارشاد احمد حقانی کی شدید گوشمالی کی گئی۔ اس وقت بلی کی تصویر بھی حرام تھی ہفتہ وار آئین اور ایشیا پچاس سال تک نکلتا رہا اور ہمیشہ بغیر تصویر کے نکلتا رہا لیکن ۱۹۷۰ء میں جسارت نکالا گیا تو ارتقاء اور اجتہاد کی روح کے مطابق تصویر حلال ہوگئی اسّی کے عشرے تک آئین اور ایشیاء بھی تصویر کو جائز سمجھ کر شائع کرنے لگے کہ شریعت تو متحرک ہے، ساکن اور منجمد جوہڑ نہیں ہے کہ جہاں ۱۹۵۰ء میں مولانا مودودیؒ صاحب کے وقت کھڑی تھی تو ۲۰۰۸ تک وہیں پڑی رہے۔ [نعوذ باللہ] عورتوں کے بارے میں مولانا مودودیؒ نے سورہ نور اور سورہ احزاب کی تفسیر میں ان کا دائرۂ عمل اقوال رسول، مسلک جمہور، تعامل امت اور اجماع امت کی روشنی میں واضح طور پر متعین کر دیا ہے کہ وہ گھروں میں ٹک کر رہیں گھروں سے باہر نکلنا جلوس، جلسے، ریلیاں عورت کا دائرہ کار نہیں عورت کا یہ بھی کام نہیں کہ وہ سڑکوں پر مردوں سے چندے جمع کرے مردوں کو دین کی دعوت دے شاپنگ سینٹروں میں جا کر مردوں کو انسداد فحاشی و عریانی کے اسباق سنائے مرد حکمرانوں سے ملاقاتیں کر کے ان کو یادداشتیں اور مطالبات پیش کریں افسوس یہ تمام کام اسلامی جمعیت طالبات اور جماعت اسلامی خواتین نہایت اعتماد کے ساتھ شرعی تاویلوں کی بنیاد پر مسلسل انجام دے رہی ہیں مولانا مودودیؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ جب حضرت عائشہ سورۂ احزاب کی اس آیت کی تلاوت کرتے ہوئے اس تک پہنچتیں کہ ''اپنے گھروں میں ٹک کر رہو'' تو اس آیت کی تلاوت کرتے کرتے ان کی ہچکیاں بندھ جاتیں آنسو بہنے لگتے کیوں کہ انھیں جنگ جمل میں اپنی شرکت یاد آ جاتی اس کے باوجود جماعت اسلامی کی خواتین تنظیمیں کیا کر رہی ہیں مولاناؒ نے لکھا ہے کہ مخلوط تعلیم گاہوں، میڈیکل کالجوں میں لڑکیوں کو پڑھانے سے بہتر یہی ہے کہ انھیں زندہ دفن کر دیا جائے لیکن عملاً مولانا کے اس نقطۂ نظر کی تردید ہو رہی ہے مولانا نے واضح طور پر لکھا کہ عورتوں کا کام کونسلوں اور پارلیمنٹوں میں جانا نہیں ہے لیکن جماعت اسلامی خواتین یہ کام بخوبی کر رہی ہے حتّٰی کہ اس کی خواتین اراکین غیر ملکی پارلیمانی دوروں پر بھی جا چکی ہیں اور غیر ملکی سفراء سے ملاقات ان کو امدادی سامان کی فراہمی کرتے ہوئے تصویریں کھنچوانا ان کا معمول بن گیا ہے۔ لیکن جدیدیت کی تازہ ترین شکل مولانا مودودی پر جماعت اسلامی کی تیار کردہ دستاویزی فلم ہے اس فلم سے کتنے لوگ جماعت اسلامی کے رکن بنیں گے کتنے لوگ اسلامی تحریکوں میں شامل ہوں گے یا دین کی خدمت کے لئے کمربستہ ہوں گے ایک لایعنی سوال ہے فلموں سے کبھی نہ دین پھیلتا ہے نہ دین داری عام ہوتی ہے جماعت اسلامی جو اکابر پرستی اور شخصیت پرستی کو دین کے مزاج کے خلاف رویہ سمجھتی ہے اور اس کی خود مذمت کرتی ہے اب خود اسی روش پر کاربند ہے اکابر پرستی کے فلسفے کے تحت یہ فلم اس شخص پر بنائی گئی جو ساری زندگی فلم کے خلاف لکھتا رہا اور جس نے ساری زندگی کبھی تصویر نہیں کھنچوائی جماعت اسلامی میں رفتہ رفتہ در آنے والی جدیدیت یعنی تصویر کے حلال ہونے کی بدترین شکل کے بارے میں مولانا مودودیؒ ہمیشہ سخت ترین موقف اختیار کرتے رہے اپنی تمام تحریروں اور تفسیر میں اس موقف پر مسلسل لکھتے رہے اور عورت کی حدود کے مسئلے پر وہ شروع سے آخر تک ایک ہی موقف پر قائم رہے جو جمہور کا مسلک ہے۔ ۲۰/اپریل ۲۰۰۸ء کے جسارت میگزین کے صفحہ ۵ پر ڈاکٹر محمود فیضانی کی یادداشتیں۔ ''مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی'' کے نام سے شائع ہوئی ہیں وہ لکھتے ہیں مولانا مودودی نے ریڈیو لاہور سے ایک تقریر نشر کی ریڈیو کے ہفت روزہ پرچے آواز میں ان کی تصویر چھپی میں نے یہ تصویر پرچے سے علیحدہ کر کے رکھ لی ایک دن نماز کے بعد میں بھی بزرگوں کے درمیان جا کھڑا ہوا مولانا نے خلاف

معمول مجھے اپنے سامنے ڈٹے دیکھا تو شفقت سے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ میں نے شوخی سے کام لیتے ہوئے دریافت کیا ''کیا تصویر کھنچوانا جائز ہے'' مولانا کے نفی میں جواب پر میں نے ان کی تصویر جیب سے نکال کر رکھ دی لوگ ہنسنے لگے مولانا نے مسکرا کر فرمایا ارے شریر میں نے خود تو یہ تصویر نہیں کھنچوائی اسی طرح ایک سوال ایک طالب علم نے کیا اسلام میں تصویر ناجائز ہے تو آپ کی تصویر اخبارات میں کیوں آتی ہے مولانا نے فرمایا ارے بھئی کیمرے والے بتاتے کب ہیں اور جب انسان شوٹ ہو رہا ہو تو ہوا اپنا بچاؤ کیسے کر سکتا ہے'' [ص ۵ جسارت میگزین ۲۰/اپریل ۲۰۰۸ء] مولانا کے اس شرعی موقف کی دھجیاں بکھیرنے کا نقطۂ عروج یہ ہے کہ اسی صفحے پر روزنامہ جسارت نے مولانا مودودی کی قلمی تصویر نہایت آب وتاب سے شائع کر کے ان کو بتا دیا ہے کہ ''بڑے میاں تمہارے یہ خیالات دقیانوسی تھے جو اب نہیں چل سکتے تم حالات کے تقاضوں سے واقف نہ تھے زمانہ بہت آگے نکل گیا ہے تم نے تفہیم القرآن میں سورہ سبا کی تفسیر میں اور رسائل وسائل کے کئی صفحات میں تصویر کو حرام قرار دینے کے جتنے شرعی و عقلی دلائل دیے ہیں وہ قدیم زمانے کے لیے ہیں اب نیا زمانہ ہے نئی نسل ہے نئے تقاضے ہیں شریعت متحرک قانون ہے لہٰذا قدیم شریعت کالعدم ہوگئی ہے بڑے میاں اپنے فتوے اپنے پاس رکھو ورنہ اسلامی نظام جو تمہاری زندگی میں نافذ نہیں ہوا اب قیامت تک نافذ نہیں ہو سکے گا لہٰذا ہمیں دستاویزی فلم بھی بنانے دو اور تصویریں بھی دھڑا دھڑ چھاپنے دو آپ دیکھ نہیں رہے کہ اسلامی انقلاب کی منزل کس قدر قریب آ گئی ہے جماعت اسلامی کے امیر اور نائب امراء قومی اسمبلی اور سینٹ میں اپنی تصویری مہمات کے ذریعے پہنچ چکے۔ آپ کا حال تو یہ تھا کہ آپ نے لاہور سے میاں طفیل اور جاوید اقبال کو الیکشن میں کھڑا کیا تو بے چارے عبرت ناک طرح سے ہار گئے''۔ جماعت اسلامی اپنی شکست کی بنیادیں، وجوہات ہمیشہ خارجی ذرائع میں ڈھونڈتی ہے اسے یہ اسباب اندرونی، داخلی اور باطنی نظام میں تلاش کرنی چاہئیں مغربیت سے مرعوبیت اور جدیدیت سے متاثر ہونے کے باعث جماعت اسلامی مسلسل دینی سطح پر بھی اور دنیا کے دائرے میں بھی مسلسل شکست کھا رہی ہے انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز کا حال دیکھا جائے وہاں مخلوط علمی محفلیں عام ہیں لگتا ہی نہیں ہے کہ یہ کسی دینی تحریک کا ادارہ ہے مغربیت اس کے در و دیوار سے ٹپکتی ہے خالد رحمان جنھیں اسلامی جمعیت طلباء کراچی کی نظامت کے دوران کبھی پتلون قمیض میں نہیں دیکھا گیا جب سے IPS کے ڈائیریکٹر بنے ہیں انھیں آج تک IPS کی کسی تقریب کسی پروگرام میں شلوار کرتے میں نہیں دیکھا گیا خواتین کے ساتھ تصویریں کھنچوانا، شیلڈ پیش کرنا، مخلوط مجالس کا انعقاد کرنا اسٹیج پر خورشید صاحب اور خالد رحمان صاحب کا خواتین کے ساتھ بیٹھ کر تصویریں کھنچوانا ادارے کا ماحول خالص مغربی اقدار پر تیار کرنا اور کسی مشرقی روایت کو محفوظ نہ رکھنا نہایت افسوسناک رویہ اور جدیدیت سے بے پناہ مرعوبیت کا شاخسانہ ہے افسوس یہ ہے کہ مخلوط مجالس کا انعقاد کرتے ہوئے پروفیسر خورشید احمد اور خالد رحمان اسلامی جمعیت طلباء کا کتابچہ ''مخلوط تعلیم'' اور مخلوط تعلیم کے خلاف جمعیت کی زبردست مہمات بھول گئے جو مخلوط تعلیمی اداروں کے خلاف ہر سال چلائی جاتی تھیں جدیدیت کس کس طرح نفوذ کر رہی ہے جماعت اسلامی کے قائم کردہ مدرسہ خواتین المحصنات کی طالبات کی ذاتی سرگرمیوں کی تصویریں اس ادارے کی خواتین اساتذہ کی تربیت کے لئے ہونے والے پروگرام میں پردے کا کوئی انتظام نہ ہونا، لڑکیوں کے مدرسہ میں قاضی حسین احمد کی آمد پر لڑکیوں کی استقبالیہ قطاروں سے قاضی صاحب کا گزرنا لڑکیوں کا ان کو پھول پیش کرنا مدرسہ کی خواتین اساتذہ کے ساتھ اسٹیج پر بیٹھنا خواتین کے مابین بیٹھ کر خطاب فرمانا لڑکیوں کا کھیلتے ہوئے پکنک کرتے ہوئے، کتب خانے میں پڑھتے ہوئے علامہ اقبال کے مزار پر حاضر ہوتے ہوئے تصویریں کھنچوانا اور ان تصویروں کو بڑے فخر کے ساتھ اپنے رسالوں میں شائع کرنا بدعت گمراہی اور جدیدیت کی مکروہ شکلیں ہیں ان رویوں کے ساتھ اگر دین کو غلبہ نہیں ملتا تو یہ اللہ کا احسان ہے کہ اس نے ایسے جدید غلبہ دین سے امت کو محفوظ رکھا ہے۔ جماعت اسلامی میں جدت پسندی اور جدیدیت کو اختیار کرنے کا رجحان دوسری دینی و مذہبی تنظیموں کے مقابلے میں زیادہ کیوں ہے یہ ایک نہایت اہم موضوع ہے اس بات پر بھی غور کی ضرورت ہے کہ جماعت اسلامی کی کتابوں اور تنظیمی نظام میں بیک وقت وہ کیا کمال اور کمزوری ہے کہ وہ امین احسن اصلاحی، اسرار عالم، فلسفی ڈاکٹر منظور احمد، ارشاد احمد حقانی، وحید الدین خان، ارشاد شاذ، کوثر نیازی، ڈاکٹر

مسعودالدین عثمانی اور جاوید غامدی جیسے مفسد اور جدیدیت پسندوں کو جنم بھی دیتی ہے اور انھیں لمحوں میں ختم بھی کردیتی ہے جماعت کے اندرونی نظام میں ایک خاص قسم کی روحانیت کا سایہ بھی ہے جو اسے جدیدیت کے قریب جاتے جاتے پیچھے کھینچ لیتا ہے اور مکمل طور پر جدید بننے سے بچالیتا ہے جماعت کے اندر بیک وقت جدیدیت سے قرب اور جدیدیت سے نفرت و دوری کی دو متضاد مرکز گریز اور مرکز مائل قوتیں بیک وقت یکساں طور پر یکساں قوت سے کام کرتی ہیں مثلاً قاضی حسین احمد نے جماعت اسلامی کراچی کے جدیدیت پسند لوگوں پروفیسر غفور احمد محمود اعظم فاروقی وغیرہ کے مشوروں پر جدید کاری کے ذریعے پاسبان اور اسلامک فرنٹ کی تشکیل کر کے جماعت کے مذہبی تشخص کو بری طرح مجروح کیا تو فوری طور پر مولانا گوہر رحمان اور شوریٰ کے شدید ردعمل کے بعد پاسبان پر پابندی لگادی گئی اور جماعت کی آزادانہ ثقافتی حکمت عملی فوری دم توڑ گئی بہت سے اہم لوگوں کی خواہش تھی کہ میاں طفیل کے بعد پروفیسر خورشید احمد امیر جماعت بن جائیں لیکن ان کی قلیل داڑھی، پتلون قمیض پہننے اور سر پر ٹوپی نہ اوڑھنے کی عادت ان کے علمی قد کاٹھ کے باوجود امیر جماعت بننے کی راہ میں مستقل مزاحم رہی قاضی حسین احمد جو بھی ہیں بہر حال ان کی ظاہری شخصیت اسلامی روایت کی بھر پور نمائندگی کرتی ہے اس لیے اراکین جماعت کے لیے قاضی حسین قابل قبول ہیں لیکن پروفیسر خورشید قابل قبول نہیں ہوسکے IPS کی تقریبات پر محیط واضح غیر اسلامیت اور خالص مغربی ماحول خورشید صاحب کو جماعت میں سوالیہ نشان بناتا ہے جماعت کی اسلامی عصبیت ان کی مغرب سے مرعوبیت کو کسی طور گوارا نہیں کرتی ابھی جماعت اسلامی کو جدید ہونے میں مزید وقت لگے گا کیونکہ قاضی حسین لمبی داڑھی رکھتے ہیں اور ٹوپی پہنتے ہیں لیکن ان کے جانے کے بعد اس بات کا خطرہ موجود ہے کہ شاید تفہیم القرآن کے نئے ایڈیشن سے مسئلہ تصویر پر مولانا مودودی کے دلائل حذف کردیئے جائیں اور رسائل و مسائل سے وہ جوابات بھی خارج ہوسکتے ہیں جو تصویر کو حرام قرار دیتے ہیں تا کہ آئندہ لوگ جماعت کو طعنہ نہ دے سکیں کہ تمہارا لٹریچر تو تصویر کو حرام قرار دیتا ہے لیکن شعبہ نشر و اشاعت فوٹو گرافروں کو دعوتیں کھلا کر آم پارٹیاں دے کر ہمیشہ جماعت کے رہنماؤں کی تصویریں کھنچوانے میں اپنی توانائیاں صرف کرتا رہتا ہے۔ لمبی داڑھی اور ٹوپی اور شلوار کرتا ایک تہذیب کی علامتیں ہیں ان علامتوں کو زندہ رکھنا دراصل تہذیب کو تازہ ہوا مہیا کرنا ہے علامتوں کی اپنی اہمیت ہوتی ہے ہر داڑھی اور ٹوپی اور لباس آپ کے رخ کا تعین کرتا ہے کہ آپ کدھر جارہے ہیں یا جاسکتے ہیں جیسے ایک چٹکی بھر مٹی جس کی کوئی حیثیت و حقیقت نہیں لیکن چٹکی بھر مٹی اگر ہوا میں اڑا دی جائے تو یہ ہوا کا رخ بتاتی ہے علامتیں افراد اور تحریکوں کا رخ بتاتی ہیں اس لئے علامتوں کا زندہ رہنا انھیں زندہ رکھنا زندگی و موت کا سوال ہے ایران میں صدارتی عہدے کے امیدواروں کے لباس میں جو تبدیلیاں آرہی ہیں اس کا گہری نظر سے تہذیبی تناظر میں جائزہ لیا جائے تو کسی تبصرے کی ضرورت نہیں رہتی جس انقلابی مملکت کا آغاز صدر خامنہ ای اور مہدی بازرگان جیسے اشخاص سے ہوا تھا اس مملکت کے صدارتی عہدے پر اب احمدی نژاد تشریف لے آئے ہیں جو علماء کے روایتی لباس سے محروم ہیں جن کا سر کھلا ہوا ہے اور جو ہر وقت کوٹ پتلون میں رہنے پر فخر کرتے ہیں حماس کے وزیر اعظم کا بھی یہی حال ہے علامتوں میں تبدیلی خواہ مخواہ نہیں ہے یہ اشارے ہیں کہ ہم بھی لبرل ہیں ہمیں بہت تنگ نظر نہ سمجھو مگر ان اشاروں کی ضرورت کیوں ہے؟ جدیدیت کی ایک اور شکل جسارت کے اسی سنڈے میگزین رسالے کے صفحہ ۱۲ پر شائع ہونے والے مضمون ''خواتین صحافت کے میدان میں'' اس میں لکھا گیا ہے کہ ضرورت اس امر کی ہے کہ چھوٹے شہروں میں بھی عورتوں کو صحافت کی جانب راغب کیا جائے تا کہ وہ معاشرے کے سلگتے ہوئے مسائل کو عموماً اور صنف نازک سے وابستہ مسائل کو خصوصاً سامنے لے کر آئیں اور عوامی سطح پر شعور میں اضافہ کریں اسی جدیدیت کا شاخسانہ ص ۱۴ پر لطیفے ہیں جو بچوں کے لئے شائع کیے گئے ہیں اب جماعت اسلامی کے بچے اس قسم کے لطیفے سنائیں گے۔ شوہر بیوی سے: جب بھی گانے لگتا ہوں تو تم چھت پر کیوں چلی جاتی ہو؟۔ بیوی: تا کہ لوگ یہ نہ سمجھیں کہ میں تمہاری پٹائی کر رہی ہوں۔ کیا عمدہ تہذیب ہے جو بچوں کو سکھائی جارہی ہے۔ ایک اور لطیفہ ہے ایک مزاحیہ اداکار نے نجومی سے پوچھا کیا میں اگلے جنم میں گدھا بن سکتا ہوں نجومی نے جواب دیا ایک روپ بار بار نہیں ملتا۔ جدید تہذیب کے اثرات جسارت پر کس طرح پڑ رہے ہیں جماعت اسلامی نے اس موضوع پر توجہ نہیں دی لگتا ہے کہ جسارت

کی مجلس ادارت یا تو ان مضامین کو پڑھنے کی زحمت نہیں کرتی یا اتنی جدید ہوگئی ہے کہ یہ احمقانہ لطیفے اسے اچھے معلوم ہوتے ہیں اب تو نظر یاتی صحافیوں کی تعداد تیزی سے کم ہورہی ہے جہاں سے تنخواہ زیادہ ملتی ہے نظر یاتی صحافی وہاں چلا جاتا ہے قحط الرجال ہے لہٰذا جسارت کے ادارتی صفحات پر بعض مرتبہ ایسے ایسے مضامین چھپ جاتے ہیں جنھیں پڑھ کر حیرت ہوتی ہے کہ کیا یہ اسلامی اخبار ہے یا نہیں مثلاً گزشتہ سال ہندوستان کے ارشاد شاذ کا مضمون شائع ہوا جس میں اسلام کی پوری تاریخ اور علمی روایت کی ایسی مذمت کی گئی تھی کہ کوئی کافر بھی یہ کام کرتے ہوئے کچھ سوچنے پر مجبور ہو جائے معلوم ہوتا ہے کہ مجلس ادارت اب نظر یاتی پڑھے لکھوں سے خالی ہے۔ ص ۱۵ پر رام لعل کی کہانی بھی جدیدیت کا مرقع ہے بچی کو مدیر بنانے کا خیال کتنا اچھوتا ہے۔ جماعت اسلامی میں حد سے بڑھتی ہوئی جدیدیت کا ایک آخری شاہکار اسی رسالے کا صفحہ ۱۷ ہے جس پر روحانی کلینک کے نام سے جماعت اسلامی کے کالم نگار سید سعید عالم صاحب نے مصارف زکوٰۃ میں اجتہاد فرماتے ہوئے امت کے اجماع اور قرآن حکیم کے منصوص احکام کو دھڑلے سے رد فرما دیا ہے بیچارے سعید عالم صاحب کی جہالت کا اندازہ اس جاہلانہ فتوے سے بخوبی ہوتا ہے موصوف نے امہات کتب تو کجا کبھی مولانا مودودیؒ کی کتابیں بھی نہیں پڑھیں اگر صرف تفہیم القرآن پڑھ لیتے تو ایسے احمقانہ اور جاہلانہ جواب کی توقع ان سے نہیں کی جاسکتی تھی افسوس یہ ہے کہ جسارت کے سنڈے میگزین میں اس طرح کی غلط سلط تحریریں اس وقت شائع ہورہی ہیں جب ایک ایک سطر کو شائع کرتے ہوئے سوچنے کی شدید ضرورت ہے ہر طرف فتنہ وفساد کا دروازہ کھلا ہوا ہے اسی لیے دینی علوم میں رسوخ حاصل کیے بغیر اگر جماعت اسلامی کے کسی کارکن کو بھی فتوے دینے کی اجازت دے دی جائے تو وہ جاوید غامدی صاحب کی ٹکر کا مفتی ثابت ہوگا سعید عالم صاحب اسی قبیل کے مفتی ہیں ان کا فتویٰ پڑھیے ''سعودی عرب کے مفتی نے فتوی دیا ہے کہ زکوٰۃ کی رقم کسی ہسپتال کو نہیں دی جاسکتی کیا یہ فتویٰ پاکستان پر بھی لاگو ہوگا یہ جواب اجتہاد ہے اور اس کا تعلق پاکستان سے نہیں دین اسلام میں تین چیزیں ہیں شریعت سنت اور اجتہاد [اس جاہلانہ جملے کی لذت اور جاہل مفتی کی زبان بیان اور اسلوب اور کبرِ جہل بھی ملاحظہ کیجیے] سوال کا تعلق نہ شریعت سے ہے نہ سنت سے بلکہ اجتہاد سے ہے اجتہاد خاص جگہ خاص موقع کے لیے ہوتا ہے سعودی مفتی کا فتویٰ اس کے اپنے ملک کے لیے ہے اور ٹھیک ہے کیونکہ وہاں حکومت سرکاری ہسپتالوں کی کفالت کرتی ہے پاکستان کی پوزیشن الگ ہے اس لئے پاکستان کے حالات کے مطابق زکوٰۃ پاکستان کے لئے جائز ہے''۔ جسارت کے اس نئے خود ساختہ مفتی کے اجتہاد سے یقیناً قاضی حسین احمد ناواقف ہوں گے ایسے مجتہدین امت کے لیے فساد فی الارض ہیں ان سے امت کو اور دین کو بچانا عین دینی تقاضہ ہے جماعت اسلامی اپنی توجہ بیرونی فتنوں، حکومت و سرکار کی اصلاح، ایوان حکومت میں انقلاب، عالمگیر اسلامی انقلاب پر توجہ مرکوز کرنے کے بجائے سب سے پہلے اندرونی داخلی فتنوں پر توجہ دے ان کی اصلاح کرے قلم سنبھال کر بغیر کچھ پڑھے تکبر سے لکھنے والے دانشوروں کی حوصلہ افزائی ترک کرے اپنے اندرونی نظام کو جدیدیت کی آلودگیوں سے پاک کر کے اسے خالص اسلامی سانچے میں ڈھال دے اس کے بعد عالمگیر انقلاب کے چراغ روشن کرنے کی روش اختیار کرے فلموں اور تصویروں نعرے بازی، پروپیگنڈہ سازی، پمفلٹ، پوسٹر، سیمنار، کانفرنس ورکشاپ اور ہر وقت اخبارات و میڈیا کے صفحات پر نظر آنے کی حکمت عملی کے جلو اور جدیدیت کی رفاقت اور معیت میں جماعت اسلامی کے نئے سفر کی کہانی تاریخ کی روشنی میں۔

[۱۱] سورۂ شوریٰ [۴۲:۳۸] میں مشورہ کی آیت کی غلط سلط محرف تفسیر پر مبنی اس جاہلانہ نقطۂ نظر کا جائزہ کہ کسی مسلمان معاشرے میں حکمران صرف وہاں کے باشندوں کی آزادانہ رائے سے مقرر ہوسکتے ہیں لہٰذا اسلامی ریاست ایک مکمل جمہوری ریاست ہوتی ہے جس میں بادشاہت یا جمہوریت کے علی الرغم کسی قسم کے طرز حکومت کی گنجائش نہیں ہوتی اور حکمرانوں کے تقرر و تنزل کا حق صرف عامۃ المسلمین کو ہوتا ہے اور حکمران عوام اور ان کے نمائندوں سے رائے لینے کا پابند ہے جو حکمران مسلمانوں کی آزادانہ مرضی سے منتخب نہ کیا گیا ہو وہ قانونی حکمراں نہیں اور شریعت نافذ کرنے کا مجاز نمائندہ نہیں اس کی اطاعت کسی پر واجب نہیں۔ سوال یہ ہے کہ عوام الناس جو امامت صغریٰ کے اہل نہیں کیا امامت کبریٰ ان کی رائے کے بغیر منعقد نہیں ہوسکتی؟ ایک عامی جو امیر بننے کا اہل ہی نہیں وہ امت کے سب سے

بڑے منصب کے بارے میں کس نص کی بنیاد پر رائے دینے کا اہل ہے؟ جو شخص اپنے گھریلو مسائل خود حل نہیں کر سکتا وہ امت کی قیادت کا فیصلہ کرنے کا اہل کس بنیاد پر ہو جائے گا؟ کیا مشورہ فرض ہے یا حق ہے یا ذمہ داری ہے یا فرض کفایہ کیا قرآن وسنت کی کسی نص سے ثابت کیا جا سکتا ہے کہ ہر جاہل سے امامت کبریٰ وصغریٰ پر نامزدگی کے لئے مشورہ کیا جائے؟ کیا مساجد کے امام، موذن، مدارس عربیہ کے مہتمم اور خانقاہوں کے مسند نشین کا انتخاب طلباء اور مریدوں کے ووٹوں سے کیا جاتا ہے؟ مدرسے کا مہتمم ایک ہی خاندان سے نسل در نسل چلتا ہے اور خانقاہ کے مسند نشین کا تقرر شیخ فرماتے ہیں یہاں جمہوریت اور شورائیت کہاں چلی جاتی ہے دارالعلوم کورنگی کراچی کے قواعد وضوابط [Deed] میں تو یہ بھی درج ہے کہ مدرسہ کی نظامت کی ذمہ داری صرف رفیع عثمانی صاحب اور تقی عثمانی کے بچوں کے سپرد کی جا سکتی ہے یعنی مفتی شفیع صاحب کے دیگر صاحبزادگان اس منصب یعنی عہدہ مہتمم کے اہل نہیں ہیں حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کی خلافت کا فیصلہ فرما کر صحابہ سے مشورہ کیا تو بہتوں کی رائے تھی کہ حضرت عمرؓ بہت سخت ہیں لیکن آپ نے کسی کی رائے قبول نہیں کی اور اپنے فیصلے پر قائم رہے حضرت عمر فرماتے ہیں کہ اگر ابوعبیدہ بن الجراح زندہ ہوتے تو میں کسی سے پوچھے بغیر ان کو خلیفہ نامزد کر دیتا کیونکہ رسول اللہ نے انھیں امین الامت کا خطاب دیا تھا اسلام میں کونسی جمہوریت کونسی نمائندگی عوام ہے یہاں تو صرف للّٰہیت خشیت الٰہی اور مقاصد شریعت کو اولیت حاصل ہے جاوید غامدی صاحب جمہوریت کی بات کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسے ایمانیات کا حصہ بنا دیا جائے لیکن انہوں نے اشراق کی سلطنت کی میراث اپنی زندگی میں اپنے دو بیٹوں اور ایک بیٹی کے سپرد کر دی جو نہ عربی سے واقف ہیں نہ دینی علوم سے آگاہ۔ اسلام میں فیصلے اور فتوے ارباب حل وعقد کے باہمی مشورے سے طے ہوتے ہیں تاریخ کے کسی دور میں عوام کو [جو کالانعام ہوتے ہیں] کبھی ارباب حل وعقد میں شامل نہیں کیا گیا نہ ہی وہ شمولیت کے اہل ہیں عوام کا کام تقلید کرنا ہے وہ تقلید کریں اور اگر وہ اس منصب سے بلند ہونا چاہتے ہیں تو انھیں اس علمیت پر عبور حاصل کرنا ہوگا جو ارباب حل وعقد کے لئے ضروری ہے مشکلات مسائل کی گرہیں کھولنا عوام کا حق نہیں سو صفر مل کر بھی ایک نہیں بن سکتے وہ آخر کار صفر ہی رہیں گے دین کی تعبیر وتشریح کی اعلیٰ ترین سطح کسی فرد کو صائب الرائے بناتی ہے مشورہ انہی کا قبول کیا جاتا ہے جو اپنے میدان تخصص کے شہسوار ہوں اور تقویٰ میں بھی برتر ہوں کسی عامی جاہل چلتے ہوئے شخص سے مشورہ نہ کیا جاتا ہے نہ کیا جانا چاہیے اس کے نتیجے میں عصر حاضر کی پارلیمان بھی باقی نہیں رہتی بے اثر ہو جاتی ہے امریکی ایوان نمائندگان نے بعض سخت فیصلوں سے بچنے کے لیے اور ان کے منفی اثرات کا ذمہ دار عوام کو ٹھہرانے کے لئے براہ راست ریفرینڈم کرایا تو امریکی سپریم کورٹ نے اسے غیر قانونی قرار دیا کہ عوام اپنے نمائندے منتخب کرنے کے بعد براہ راست رائے کے ذریعہ کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے حق نمائندگی پارلیمان کے نمائندوں کو تفویض کرنے کے بعد عوام اس حق سے محروم ہو گئے ہیں لہٰذا ریفرنڈم کے ذریعے عوامی نمائندوں کی موجودگی میں براہِ راست کسی مسئلے پر عوام سے رائے مانگنا دستور کے خلاف ہے لیکن اب امریکہ میں بیشتر فیصلے ریفرنڈم کے ذریعے ہو رہے ہیں کہ عوامی نمائندے عوام کی مخالفت نہیں مول سکتے اور ان غلط فیصلوں کی ذمہ داری بھی قبول نہیں کرنا چاہتے اسے Direct Democracy کہا جا رہا ہے فرید ذکریا کی کتاب ''فیوچر آف ڈیموکریسی'' اس ضمن میں اہم حقائق بے نقاب کرتی ہے۔ جمہوری عمل خواہش نفس کو خدا بنانے کا عمل ہے یہ عوام کو معصیت پر راغب کرنے کا طریقہ ہے نفس امارہ کے اتباع کو ہر طریقے سے ممکن بنانے کی حکمت عملی ہے پرستش نفس کا جدید طریقہ ہے نفس لوآمہ کو ختم کر دینے کی کوشش ہے جمہوریت کا مقصد بہ ظاہر عوام کی حکمرانی عملاً سرمایہ دارانہ اقلیت [capitalist minority] کی حکمرانی مگر عوام کو یہ فریب دینا کہ وہی اصل حکمران ہیں جبکہ جمہوریت میں بھی حقیقی طاقت اور اختیار بیوروکریسی اور ٹیکنوکریسی کے پاس ہوتا ہے تمام جمہوری حکومتوں میں سب سے طاقت ور لوگ غیر منتخب [Non Elected] لوگ ہوتے ہیں مثلاً بیوروکریسی، عدلیہ، ٹیکنوکریسی، کنسلٹنٹ، فلسفی، سوشل سائنٹسٹ یہ سب جمہوریت کے ارباب حل وعقد ہیں جو عوام کے نام پر سرمایہ [Capital] کی حکمرانی کو ممکن بناتے ہیں۔ گفتگو کا آغاز سورۂ شوریٰ کی اس آیت سے ہوا تھا جس کی بنیاد پر تبدیلی اقتدار اور نفاذ شریعت کے لئے جمہوری حکومت کا استدلال اخذ کیا گیا تھا لیکن بات پھیلتے پھیلتے امریکہ تک چلی گئی

سوال یہ ہے کہ ایک اسلامی ریاست یا غیر اسلامی جدید ریاست میں اگر ایک حاکم حکومت کی مسند پر رائے عامہ کے بغیر فائز کر دیا جائے یا قابض ہو جائے اور وہاں شریعت نافذ کر دے تو کیا ملوکیت کے ذریعے اور جمہوریت کے بغیر قیام خلافت اور نفاذ شریعت کا یہ طریقہ جائز ہوگا یا ناجائز ہوگا؟ اگر اسلام نے شریعت کے نفاذ کے لئے حکمران کے عوامی رائے سے منتخب ہونے کو شریعت کا حصہ بنا دیا ہے تو لازماً یہ اقتدار ناجائز ہوگا؟ کیا شریعت جمہوریت کے بغیر قائم نہیں ہو سکتی؟ کیا شریعت جمہوریت کی محتاج ہے ایک کامیاب انقلاب وہی ہے کہ انقلاب کا سکہ چلنے لگے انقلاب ناکام ہو جائے تو سازش کہلاتا ہے۔لوگ جس جبر کو اختیار کر لیں وہ انقلاب کے نام سے مشہور ہو جاتا ہے اور قانونی ہو جاتا ہے اگر لوگ ایوب خان، یحییٰ خان، جنرل ضیاء الحق، صدر ناصر، معمر قذافی، ضیاء الرحمان، سوہارتو، سوئیکارتو، حافظ الاسد ،شریف مکہ، پرویز مشرف، آصف زرداری اور نواز شریف جیسے لوگوں کو برداشت کر سکتے ہیں تو ایک ایسے حکمراں کو قبول کرنے میں کون سا شرعی عذر مانع ہے جو جمہوریت کے ذریعے نہیں آیا ہو کیا نفاذ شریعت کے لئے شریعت نے یہ طے کر دیا کہ حاکم عوام کا پسندیدہ فرد ہوگا شریعت پسندیدہ ہے یا شریعت کا نافذ کرنے والا پسندیدہ ہونا چاہیے؟ پاکستان اور دنیا بھر میں جمہوریت کے تحفظ کے لئے جمہوریت کی ریل کو پٹری پر چلانے کے لیے ہمیشہ آمر، ڈکٹیٹر مسلط ہو جاتے ہیں اور انتخابات کرا کے جمہوری عمل کو دوبارہ بگڑنے کے لیے پھر جمہوری اداروں کے سپرد کر دیتے ہیں ترکی، انڈونیشیاء، پاکستان، وغیرہ اس کی نمایاں مثالیں ہیں اگر جمہوریت کی بحالی کی خاطر آمریت گوارا ہے تو اسلام کے تحفظ غلبہ اور تمکن کے لیے صرف جمہوریت کے وجود کو لازمی کرنا جہالت حماقت کے سوا کیا ہے؟ کیا جمہوری نظام میں عوام اور ان کے نمائندوں کے پاس اقتدار ہوتا ہے۔کیا یہ تاریخ کا سب سے بڑا جھوٹ نہیں ہے؟ جمہوریت میں اقتدار ہمیشہ ایک منظّم، مخفی، اور ایک عالی علمی اقلیت [superior minority] کے پاس ہوتا ہے جو مغربی کا فرانہ عصری علوم میں کامل دست گاہ رکھتی ہے اور اس سرمایہ دارانہ نظام کی عقلیت [Custodian of Rationality of capitalism] کے محافظ کا کردار ادا کرتی ہے۔اس منظّم اقلیت کا بنیادی وظیفہ رائج سرمایہ دارانہ عقلیت کی روشنی میں سرمایہ داروں کی مختصر ترین جماعت [Capitalists minority] کا تحفظ ہے تا کہ سرمایہ داری پھل پھول سکے سرمایہ داری کے پھیلاؤ اور فروغ کی سیاسی حکمت عملی جمہوریت [Democracy] کہلاتی ہے تا کہ عوام کو اس فریب [illusion] میں مبتلا کیا جائے کہ حکومت و اقتدار ان کا ہے ان کے مشورے سے چل رہا ہے تا کہ اس فریب کے ذریعے وہ سرمایہ دارانہ اقلیت کے خلاف کوئی قوت پیدا کر کے مزاحمت برپا کرنے کے قابل نہ ہوں سرمایہ داری میں حاکمیت جمہور کے اس فریب، دھوکے، اور جھوٹ کی قلعی جمیل مظہری نے دو مصرعوں میں کھول کر رکھ دی ہے۔

بقدر پیمانہ تخیل سرور ہر اک کو ہے خودی کا — اگر نہ ہو یہ فریب پیہم تو دم نکل جائے آدمی کا

اگر عوام کو اپنی حاکمیت کا جھوٹا اور جعلی خواب اور احساس ہر پانچ سال بعد ووٹ کے ذریعے نہ دلایا جائے تو لوگوں کا نہ صرف سرمایہ دارانہ نظام سے اعتماد اٹھ جائے گا بلکہ وہ سرمایہ دارانہ نظام کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے سرمایہ داری کو کسی متوقع انقلاب کے خطرے سے بچانے کے لیے Media کلیدی کردار ادا کرتا ہے۔تاریخ بتاتی ہے کہ دنیا کے جس ملک یا معاشرے میں طباعتی و برقیاتی ذرائع ابلاغیات [Electronic and Print Media] آئے وہاں انقلاب ناممکن ہی نہیں محال ہو گیا میڈیا سرمایہ دارانہ نظام کے روپے پیسے سے چلتا ہے لہٰذا اس کے مکمل تحفظ کا ہر ممکنہ انتظام کرتا ہے وہ لوگوں کے جذبات کے ابال کو آزادی اظہار رائے کے نام پر وقتاً فوقتاً خاص طریقوں سے اخراج کے طریقے مہیا کرتا ہے تا کہ سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف عوام کے دل و ذہن میں پکنے والا لاوا نکل جائے اور وہ آزادی اظہار رائے کے نام پر دل کی بھڑاس نکال لیں میڈیا کے اوپر سے ڈھکن ہٹانے کا کام کرتا ہے اگر کیتلی پر ڈھکن موجود رہے دودھ ابلتا رہے تو وہ ڈھکن سمیت کیتلی کو بھی اٹھا کر پھینک دے گا لہٰذا میڈیا لوگوں کے جذبات کو بے حس، ان کے احساسات کو کند، ان کی قوت عمل کو ناپید، ان کی امنگ کا خاتم، ان کے نیک اور انقلابی جذبات کا قاتل ہے یہ تمام کام وہ سرمایہ دارانہ نظام کی بقاء فلاح اور دوام کے لیے انجام دیتا ہے کیونکہ اگر سرمایہ داری خطرے میں پڑی تو میڈیا اسی لمحے ختم ہو جائے گا اگر سرمایہ دار اداروں کو عادلانہ منافع لینے پر

مجبور کر دیا جائے تو اشتہارات کی صنعت اور میڈیا کا دجل چند لمحوں میں اپنی موت آپ مر جائیں گے سرمایہ داری جمہوریت اور میڈیا کے ذریعے عوام میں اثر و نفوذ کرتی ہے اور عدلیہ مقننہ انتظامیہ اور علمی اشرافیہ [Philosophers and social scientists] کے ذریعے تعلقات، اختیارات، قوت و مرکزیت کا ایسا تانا بانا بنتی ہے جو طاقت کے مراکز کو سرمایہ دارانہ مرکز گریز رجحانات یعنی [Anticapitalists intentions] سے روکتے ہیں اور سرمایہ داری کی مستقل نگرانی و محافظت کا کام سرانجام دیتے ہیں طاقت کے ان چار مراکز کی تاریخ [Fedralist Papers] میں رقم ہے جسے پاکستان کے کسی ماہر سیاسیات نے آج تک نہیں پڑھا لہٰذا جمہوری نظام میں چہرے بدلتے ہیں نظام وہی رہتا ہے جو اس نظام کے فلسفی تیار کرتے ہیں۔ امریکہ اپنی ریاست چلانے کے لئے فلسفیانہ افکار ریاستی فلسفی Richard Rorty سے لیتا ہے اور سیاست کو چلانے کے لیے سیاسی فلسفی John rawls کے فلسفہ سیاست کو اختیار کرتا ہے دنیا کی سب سے بڑی جمہوریہ بھارت اور امریکہ ہے ان جمہوریتوں کا اصل حال کیا ہے نیوز ویک کے مدیر اور صدر امریکہ جارج بش کے مشیر فرید زکریا کی زبانی سنیے فرید زکریا اپنی کتاب The future of Freedom کے تیسرے باب Illiberal Democracy میں بھارت کی جمہوریت کو غیر لبرل جمہوریت قرار دیتے ہیں [ص ۱۰۸] اس جمہوریت کا حال ۱۹۷۷ء میں یہ تھا کہ یوپی کی حکومت ترانوے اراکین کی کابینہ پر مشتمل تھی لہٰذا سیاسی جماعتوں کے تمام منحرف اراکین کو کابینہ میں نمائندگی دی گئی ان میں سے ۱۹ وزراء مصدقہ دستاویزات کے مطابق ثابت شدہ مجرم تھے سائنس و ٹیکنالوجی کا وزیر ہری شنکر قتل کے نو مقدمات اقدام قتل کے دس واقعات، تین ڈکیتیوں اور تین اغواء کی وارداتوں میں ملوث اور پولیس کو مطلوب تھا۔ Program implementation minister راگھو راج پرتاپ سنگھ اقدام قتل کے دو مقدموں میں زیر تفتیش اور اغوا کے کئی مقدمات اور ۲۵ جرائم میں ملوث تھا فرید زکریا کے الفاظ میں

This is the reality of democracy in India & yet no one in the west wishes to look at it too closely. This is Day light murder of Decomcracy in UP [Page 110]

بہار اور ہریانہ میں سیاسی رشوت ستانی نہایت بدترین سطح پر پہنچی ہوئی ہے [ص ۱۱۱] اور دہلی میں حکومت کی کارکردگی ان علاقوں کا عکس نظر آتی ہے ہند کا عدالتی نظام سیاسی طاقت کے ہاتھوں موت کے دہانے پر ہے۔ ۱۹۷۵ء میں ایک مقامی جج نے وزیر اعظم اندرا گاندھی کو ایک معمولی انتخابی قانون پامال کرنے کے جرم میں انتخابی نشست سے محروم کر دیا تھا ایک اور مقامی جج نے ۱۹۸۱ میں مہاراشٹر کے طاقت ور ترین وزیر اعلیٰ کے خلاف فیصلہ دے دیا تھا عدلیہ سے زخم کھانے کے بعد ہندوستان میں اب جو سیاسی جماعت بھی ملک کے کسی حصے میں برسر اقتدار آتی ہے تو اس کا پہلا کام فرید زکریا کے الفاظ میں

If often find ways to pack the local courts. other than the suprem Court in New Dehli no court in India has shown the independence that almost all of them showed routinely a generation ago [P111]

اس وقت ہندوستان میں عدلیہ کی صورت حال یہ ہے کہ

No judge in any part of India has ruled against a powerful politician[p111]

امریکہ کے بارے میں فرید زکریا واضح طور پر لکھتا ہے کہ امریکہ میں عوام اور عوامی نمائندوں کے پاس اختیارات و اقتدار کا صرف دس سے لے کر بیس فی صد حصہ ہے۔ بقیہ اقتدار، حکمرانی، طاقت، قوت ہزاروں client groups کے پاس ہے یہ اس جمہوریت کا حال ہے جو دنیا کی دوسری بڑی جمہوریہ ہے فرید زکریا کے الفاظ میں جو "Rauch" سے مستعار لئے گئے ہیں

"The American government probably has evolved into about what it with remain a sprawling, largely self organizing structure that is 10% to 20% under the controll of the

politician and voters & 80% to 90% under the controll of the conntles thousand of client groups". This is the heart of American's dilemma today. The American people believe that they have in real control over governent what they do not realize is that the politicans have no control either [177]

فریدزکریا کے خیال میں امریکہ کے بیشتر عوامی نمائندگان اور سینٹرز اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ وہ ایک ایسے سیاسی نظام کو چلا رہے ہیں جس میں کسی بھی تبدیلی کی کوشش کو ان تبدیلیوں کے مخالف نہایت منظّم گروہ ناکام بنادیتے ہیں یہ چھوٹے مفاداتی گروہ ہر اس تبدیلی کے دشمن ہیں جس سے ان کے مفادات کو زک پہنچتی ہے[ص ۱۷۷]اس صورتحال پر فریدزکریا کا تبصرہ یہ ہے:

And it is these miniorities who really run Washington. [P177]

جب امریکہ جیسے ملک کا حال یہ ہے تو پاکستان میں اقتدار کا مرکز ومحور عوام، عوامی نمائندوں پارلیمنٹ ایوان بالاء کو سمجھنا ایک احمقانہ جسارت ہے جمہوریت کے پیدا کردہ ان مسائل کا حل فیڈرلسٹ پیپرز 51 کے مفکر Madison نے کن الفاظ میں دیا تھا۔فریدزکریا کے قلم سے اس کا ذکر پڑھیے

only effective solution to this problem would be to curtail the freedom of association and exp ression that allow such groupes to form [Liberty is to faction what air is to fire]۔اس حل کو Madison خودرد کردیتا ہے۔

But the cure would be worse than the disease [p178]

جمہوریت کا یہی المیہ ہے کہ وہ نہ اگلی جائے نہ نگلی جائے سو پیاز بھی کھانے پڑتے ہیں اور سو جوتے بھی مسئلہ وہیں رہتا ہے امریکہ میں سیاسی جماعتیں ختم ہوچکی ہیں The decline of parties کے نام سے فریدزکریا مشہور صحافی G. Stephanopoulos سے مکالمہ کرتا ہے ۲۰۰۴ء کے اس مکالمے میں فریدزکریا اس سے پوچھتا ہے کہ کیا ڈیموکریٹک پارٹی سابق نائب صدر الگور کو ۲۰۰۴ء کے انتخابات میں صدارتی امیدوار نامزد کردے گی اس کا جواب سنیے۔

There is no Democratic party. If AL Govre wants to run he has to raise the money, get good publicity, and move up in the polls which will get him more money and better press what party elders think is irreverent because there is no party any more. [p.180]

فریدزکریا کا اپنا تبصرہ پڑھیے جو امریکہ میں سیاسی جماعتوں کی حیثیت کے بارے میں بتاتا ہے کہ یہ سرمایہ دارانہ نظام کو مضبوط کرنے کا وسیلہ ہیں اور سیاسی جماعت کا مطلب ایک ایسی گاڑی جو ٹی وی پر خوبصورت نظر آنے والے امیدوار کے لئے چندہ جمع کرنے کے کام آتی ہے۔

Political parties have no real significance in America today [p180]. The party is at most a fund raising vehical for a telegenic candidate [p.181]

ہالی ووڈ کے معروف اداکار رونالڈ ریگن دنیا کی سب سے بڑی طاقت امریکہ کا صدر اسی چندے، اسی سرمایہ دارانہ دھندے اور اسی خوبصورت چہرے کی وجہ سے منتخب کیا گیا کیا اسلامی ریاست میں ایک بھانڈ، مراثی، مسخرہ، گویا، اداکار، امامت کبریٰ پر فائز ہوسکتا ہے یقیناً نہیں لیکن جمہوری عمل انسانوں کی مساوات کے فلسفے کے تحت ایک عالم فاضل اجل اور ایک میراثی بھانڈ میں کوئی فرق تسلیم نہیں کرتا دونوں انسان ہیں عقل رکھتے ہیں لہٰذا دونوں برابر ہیں حفظ مراتب جمہوریت میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔

امریکہ کے آئندہ انتخابات کے لئے ہیلری کلنٹن اوراوباما کے مابین ابتدائی انتخابی مرحلے میں کامیابی کے لئے مالی طور پرنا آسودگی ہیلری کلنٹن کے لئے مسائل پیدا کرسکتی ہے یعنی انتخابی عمل میں کامیابی کا واحد اصول سرمایہ کی فراوانی ہے جو سرمایہ جمع کرے وہی کامیاب جمہوریت نظام سرمایہ داری نہیں تو اور کیا ہے۔ روزنامہ ڈان کے مسعود حیدر کے مطابق

Money has become a major Obstacle for Mrs. Clinton whose latest filings show that she has 10.3 million dollar in outstanding debt and just 9.5 million dollar in the bank. Senator Obama has shown raising 42 maillion dollar in March & Showeding 43 million dollar in his war chest. [Dawn 24, April 2008]

امریکہ میں جمہوریت اور جمہوری عمل اور سیاست کا تعلق براہِ راست سرمایہ Capital سے ہے کیونکہ جمہوریت سرمایہ داری کے بطن سے پیدا ہوئی ہے اور سرمایہ داری کے فروغ سرمایہ دارانہ اقلیت کے تحفظ اور سرمایہ دارانہ عمل کو حکومت و ریاست کی سرپرستی کے ذریعے ہر شخص کا وظیفہ زندگی بنادینے کا نام ہے جمہوریت اور سرمایہ داری کا چولی دامن کا ساتھ ہے صدارتی امیدوار بننے کے لیے آپ کو لاکھوں ڈالر چندہ جمع کرنا ہے یہ کام کون سب سے بہتر طریقے سے کرسکتا ہے وہی مستقبل کا صدر ہوگا یعنی امریکہ میں قیادت کا انتخاب صرف اور صرف سرمایہ کے ذریعے ممکن ہے۔ پاکستان، بھارت دنیا میں ہر جگہ جمہوری عمل اربوں کھربوں روپے کی صنعت ہے۔ امریکہ میں سیاسی جماعتوں کے زوال، قومی زندگی سے سیاسی جماعتوں کے اثر ورسوخ کی کمی اور خودکشی [Sucide of American Political Parties] کے اسباب کا جب بھی تعین کیا جائے گا اس کا اصل سہرا ابتدائی انتخابات [Primary elections] اور سرمایہ کی ضرورت کے سر ڈالا جائے گا۔ یہ انتخابات اس بات کا فیصلہ کرتے ہیں کہ رائے دہندگان کے بازار میں کس امیدوار کی قیمت [Marketability] کتنی ہے یعنی طلب کتنی ہے سرمایہ دارانہ معاشرت انفرادیت ریاست اور سیاست صرف اور صرف آزادی freedom کے محور پر گھومتی ہے اور آزادی کی تمام جہتیں ہمیں مارکیٹ کے ذریعے ملتی ہیں کون سی کتاب اچھی ہے کتاب کی فروخت [Marketing] اس کا فیصلہ کرے گی کونسا سیاستدان اداکار، اداکارہ، ٹاک شو، فلم اچھا ہے۔ اس کا فیصلہ مارکیٹ میکانزم کرتا ہے کہ کس کی قیمت زیادہ لگی کس نے زیادہ کاروبار کمایا کس سروے میں کس شخص کو پسندیدہ قرار دیا گیا اس پورے عمل میں خیر، الحق کا کوئی تصور نہیں صرف عوام میں مقبولیت زیادہ فروخت ہونے کی صلاحیت، عوام کو موہ لینے کی استعداد بنیادی شرط ہے۔ اعداد وشمار کی جادوگری quantification سرمایہ داری کا بنیادی وظیفہ ہے لہٰذا کس امیدوار کے لیے عوام میں قبولیت سب سے زیادہ ہے وہی صدارتی امیدوار ہوگا چیزوں کی قیمت کا واحد پیمانہ عدد ہے اعداد ہی کسی چیز کے صحیح وغلط ہونے کا معیار ہیں اس کے سوا کوئی پیمانہ نہیں ہے۔ فرید زکریا یہ بھی بتاتا ہے کہ عوام کا اپنے امیدواروں سے صرف یہی مطالبہ ہوتا ہے کہ وہ تنخواہیں بڑھائیں محصولات کم کردیں اور ان کی خواہشات کی راہ میں حائل رکاوٹیں کم سے کم کردیں اس کے سوا کوئی مطالبہ نہیں۔

فرید زکریا کے الفاظ میں

The political party today is an empty vessel, waiting to be filled by a popular leader.
The primary is a uniquely American and recent phenomenon. Why and how it emerged is an interesting story. But to say that the American political party was killed is inaccurate; it actually committed suicide." [page 182]
Primary voters do not constitute anything close to a majority of the party, let alone of the American people. (In the last presidential election, only 23 percent of registered voters voted in the primaries, roughly 18 percent of the voting-age population).
For example, only 10 percent of Republican delegates in 2000 thought the budget

surplus should be used to preserve Medicare and Social Security, compared to 46 percent of all Republican voters. Only 24 percent of Republican delegates thought soft money should be banned, even though 60 percent of voters thought it should. Similarly, only 10 percent of Democratic delegates supported school vouchers, while 41 percent of Democratic voters did. Only 20 percent of Democratic delegates supported the death penalty while 46 percent of Democratic voters did." Among both parties and across almost every issue the gulf between delegates and voters repeats itself. [page 183]

The old party was rooted in neighborhoods, local government, and broad-based organizations such as unions and business associations. The new party is dominated by Washington professionals - activists, ideologues, fund raisers, and pollsters. This is why Washington remains so much more polarized than the country at large, and why making deals and compromises across party lines has become so much harder. The political system today prefers deadlock to dealmaking; it's better for fund-raising.

The primary system produced the democratic paradox that recurs through the recent history of reforms, in which majority rule turns into minority rule. [page 184]

With an individual-donor limit of $1000 and a spending limit of $36 million, it no longer suffices to locate a few eccentric millionaires. A candidate must spend the now-all-important year before the primaries winning the support of thousands of affluent contributors. It's like filling a bathtub with a tablespoon. And since not even the most grimly determined candidate can woo so many people one by one, he or she must first win the support of the few hundred maestros of the Rolodex who have proved their ability and willingness to sponsor the fund-raising galas, cocktail parties, breakfast meetings, and intimate suppers necessary to extract the requisite quota of funds from each major region's check-writing Democrats and Republicans. [page 185]

As a result, raising money has become the fundamental activity of a political campaign, and performing well at a fundraiser the first, indispensable skill for a modern American politician. If there are party elders, they are now the "masters of the Rolodex," without whom no campaign can get off the ground. [page 185]

But today politicians have an obsessive, all-consuming, permanent paranoia about always being one step away from defeat.

In British political scientist Anthony King's words. Candidates used to gain their strength from their standing within their parties, their substantive accomplishments, and their political skills with party elders. Now they gain it from their own entrepreneurial skills in polling, constituent service, managing special interests, and fund raising. But that also means that they are alone and always one misstep away from going bankrupt and thereby losing power. If they do something unpopular, the party no longer protects them, Congress no longer protects them, the media no longer protect them. As King wrote, "they can be picked off one by one; they know it; they adjust their behavior accordingly".

The prospect of an election concentrates the mind of a politician. And American

politicians are now single-mindedly focused on winning the next election to the exclusion of all else, not because they are worse human beings than their predecessors were but because the system pushes them in this direction. Hence the sad spectacle of modern American politics, in which politicians ceaselessly appease lobbies, poll voters, genuflect before special interests, and raise money. [page 186]

مغربی پارلیمانی جمہوریت میں حاکمیت عوام عوامی نمائندگان کا نگریں، پارلیمنٹ کے ذریعے قائم کی گئی لیکن عوام کی خباثت نفس، ہمہ وقت مطالبات، اپنی پسند کی قانون سازی کے مطالبات سے تنگ آ کر عوامی نمائندگان نے ریفرنڈم کے ذریعے Direct Democracy کا نظام متعارف کرانے کی کوشش تا کہ عوام براہ راست ووٹ دے کر اپنا فیصلہ دیں اور برے بھلے نتائج خود بھگتیں امریکہ کی تاریخ میں پہلا ریفرنڈم ۱۶۴۰ میں Massachusetts Bay Colony میں منعقد ہوا تھا اٹھارہویں اور انیسویں صدی میں وفاقی اور ریاستی دساتیر عوام کی توثیق وتائید کے لئے پیش کئے گئے اور عوام کی منظوری کے بعد حکومتی نظام وضع ہوگیا اور اس کے ساتھ ہی ریفرنڈم یا براہ راست جمہوریت Direct Democracy کا نظام موت کی نیند سو گیا انیسویں صدی میں امریکہ کی عدالت عظمی نے ہر قسم کے ریفرنڈم کو غیر آئینی قرار دیا ان فیصلوں کی بنیاد یہ اصول تھا کہ

People had delegated legislative powers they could not slectively take them back "*delegate postesta non potest delgari*"

لیکن ۱۸۹۸ میں South Dakota میں برہ راست جمہوریت کا اصول نافذ کر دیا گیا۔

The idea of taking government directly to the people is as old as the United States of America. Actually, older; the first referendum was held in 1640 in the Massachusetts Bay Colony. And throughout the late eighteenth and nineteenth centuries, federal and state constitutions were presented to the people for ratification.

Throughout the nineteenth century courts routinely ruled that referendums were unconstitutional, citing the long-established doctrine that once the people had delegated legislative powers, they could not selectively take them back-delgeta postesta non postest delgari. Representative democracy, in the nineteenth-century view. [page187]

The number of referendums had already grown by the 1970s, but after 1978 they spread like Reagan's prairie fire. In the 1960s voters across the country were asked to legislate on 88 issues. That number grew to 181 in the 1970s and 257 in the 1980s. By the 1990s, the number of initiatives had almost quintupled, to 378. In 2000 alone, voters decided on 204 pieces of legislation, concerning everything from health care and education reform to gay rights and physician-assisted suicide. [page 188]

براہِ راست جمہوریت کے نتیجے میں عوامی نمائندگان عوام کے غیض وغضب سے بچنے لگے اور عوام کو پرستش نفس کے لامحدود مواقع میسر آ گئے اس وقت امریکہ کی صورتحال فرید زکریا کے الفاظ میں سنیے

All this changed, starting in South Dakota in 1898. The Gilded Age of the late nineteenth century produced great fortunes and firms. Big business-particularly the railroads-often had strong ties within state legislatures, creating a cozy relationship between money and politics. (Decades later, Americans were shocked to discover similar arrangements in the emerging economies of Asia and denounced them as

cronycapitalism.) Progressive reformers were appalled and frustrated by this well-entrenched corruption and decided to bypass the legislatures altogether, taking public policy directly to the people. They pushed through amendments to state constitutions that allowed for referendums, initiatives, and recalls - all designed to give the public the ability to override the power of the special interests who ran the legislatures. (The other important progressive reform was the constitutional amendment establishing the direct election of senators, who until the early 1910s were elected by state legislatures.) Progressives believed that they would return politics to a purer, uncorrupted state, since the common man, and not the wealthy few, would rule. [page 189]

[۱۲]خواجہ احمد دین امرتسری کے انتقال پران کے مکتب فکر کے علمی ترجمان ''بلاغ امرتسر'' نے خواجہ صاحب پر خاص نمبر کی اشاعت کا اعلان کیا اوراس نمبر میں خواجہ صاحب کا فوٹو شائع کرنے کا وعدہ کیا لیکن اس وعدہ پرخواجہ صاحب کے لواحقین احباب اورعم محترم نے شدید اعتراض کیا اور کہا کہ خواجہ صاحب اپنی ذات کے لیے ہمیشہ فوٹو کوممنوع قرار دیتے تھے لہٰذا خواجہ صاحب کی منشاء کے برعکس تصویر شائع نہ کی جائے۔''ابلاغ'' نے ستمبر ۱۹۳۶/۱۳۵۵ ہجری میں گزارش احوال واقعی کے زیرعنوان اس قصے کی تمام تفصیلات رقم کی ہیں سوال یہ ہے کہ ایک منکر حدیث جدیدیت پسند دانشور اپنی تشہیر کے لئے تصویر کشی کو جائز نہیں سمجھتے تھے لیکن عصر حاضر کے بہت سے جدیدیت پسند علماء، راسخ العقیدہ جماعتیں جیسے جماعت اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب وغیرہ تبلیغی مقاصد کے لیے اپنی تشہیر اپنی جماعت اس کے امیر اس کے رہنماؤں اور جلسوں جلوسوں کی تشہیر کو عین اسلامی سمجھتے ہیں۔اور تشہیر کے بغیر اسلامی انقلاب کا وقوع پذیر محال خیال کرتے ہیں لطف کی بات یہ ہے کہ تنظیم اسلامی اور جماعت اسلامی میڈیا پر محکم ایمان رکھنے کے باوجود عوام کی اکثریت کی بے التفاتی کا شکار ہیں اور ڈاکٹر اسرار احمد اور خرم جاہ مراد کا اجماع ہے کہ اسلامی انقلاب کم افراد کے باعث برپا نہیں ہورہا ہے حبل الناس کے بغیر انقلاب برپا ہی نہیں ہوسکتا یہ دونوں مفکرین بھول گئے کہ تبلیغی جماعت صوبائی سکرٹری اطلاعات، مرکزی سکرٹری اطلاعات، شعبہ نشر واشاعت پمفلٹ، پوسٹر، ملٹی میڈیا، اخبار، رسالوں ٹی وی، ریڈیو، کیسٹ، تصویر، جلسے۔جلوس، ملین مارچ، کانفرنس ورکشاپ کتابوں کے بغیر لاکھوں آدمی ہر سال جمع کرلیتی ہے لیکن اس تجربے کے باوجود ہر آنے والا دن ان دونوں جماعتوں کے میڈیا پر ایمان میں مسلسل اضافہ کررہا ہے۔کیا وجہ ہے کہ تبلیغی جماعت میڈیا کی منکر ہے مگر لاکھوں لوگ اکٹھا کرلیتی ہے اور جماعت اسلامی ایک لاکھ لوگ بھی اکٹھے نہیں کرسکتی ابلاغی انقلاب اور جدید ابلاغی نظریات کی روشنی میں اہم جائزہ۔

[۱۳]عالم اسلام میں گزشتہ پچاس برسوں میں تمام مکاتب فکر کے زیراہتمام نکلنے والے اہم دینی پرچوں میں شائع ہونے والے قارئین کے خطوط، کتابوں پر کئے گئے تبصرے ان رسالوں میں شائع ہونے والی کتابوں کے اشتہارات اور دیگر تمام اشتہارات، ان اشتہارات کے مضامین اور موضوعات کا مفصل اشاریہ اور جائزہ جس سے پچاس برس کے تحقیقی فکری ونظریاتی علمی کام کا جائزہ سامنے آجائے گا اور آئندہ کی حکمت عملی بنانے میں رہنمائی ملے گی۔

[۱۴]سابق آرچ بشپ کنٹربری Lord George Carey کی زبردست تحسین کے ساتھ شائع ہونے والی جرمن زبان میں نئی کتاب Islam Past Present and Future مصنفہ Hans Kung صدر گلوبل ایتھک فاؤنڈیشن کا تحقیقی مطالعہ جس کا جرمن زبان سے انگریزی میں ترجمہ One World Oxford کی جانب سے شائع کیا گیا ہے ۸۰۰ صفحات کی اس کتاب میں عالم اسلام کے تمام جدیدیت پسند اور قدامت پسند اہم مفکرین کے افکار کا جائزہ لیا گیا ہے۔مصنف نے کسی ایک عربی یا فارسی ماخذ سے استفادہ نہیں کیا۔

[۱۵] ورلڈ ل فوڈ پروگرام کی تحقیق کے مطابق اور ۲۰۰۸ء کی ورلڈ ڈیولپمنٹ رپورٹ The 2008 world development

Report: Agricultural for Development کے مطابق ۲۴۰ کلوگرام غلہ ایک فرد کی ایک سالہ غذائی ضروریات کے لیے کافی ہے۔ اس غلے سے ۳۶ لیٹر پٹرول [Biofuel from food] پیدا کیا جارہا ہے تاکہ مہنگے پٹرول کا متبادل مہیا کیا جاسکے۔ مکئی کے علاوہ دیگر غذائی اجناس سے بھی پٹرول بنایا جارہا ہے جس کے لئے دس کروڑ ٹن اجناس استعمال ہورہی ہیں یہ اس دنیا کا حال ہے جہاں ۱۹۹۰ء سے لے کر ۲۰۰۸ء تک ستّر لاکھ سے زیادہ آدمی بھوک، پیاس، قحط، خشک سالی، غربت کے ہاتھوں سسک سسک کر تڑپ تڑپ کر مر چکے ہیں جس دنیا میں کھانے کے لیے موجود نہیں ہے اس دنیا میں گاڑیاں چلانے کی کیا ضرورت ہے۔ یا کم از کم دو تین سال کے لیے گاڑیوں کا استعمال ترک کردیا جائے تو قحط اور آلودگی سے جزوی نجات مل سکتی ہے لیکن دنیا کا کوئی شخص، دانشور، اقوام متحدہ، اسلامی مفکرین انقلابی اسلامی قائدین اس بات کو سننے کے لیے بھی تیار نہیں ہے کہ انسانوں کو بچانے کے لیے گاڑیاں بند کردی جائیں کیوں کہ عہد حاضر کا خدا خواہش نفس ہے۔ پوری دنیا اس خدا کی پرستش [Worship of self] میں شدت سے شب و روز مصروف ہے کیا انسانوں کو بچانا بھوکوں کو کھلانا اہم ہے یا گاڑیوں کے لئے غذائی اجناس سے تیل تیار کرنا اور لوگوں کو قحط سے ہلاک کرنا۔ اکیسویں صدی میں دنیا بھر میں آنے والے قحط کی تفصیلات۔

[۱۶] اس نقطہ نظر کا جائزہ کہ حقوق [Rights] کو تصور خیر [Good] پر فوقیت حاصل ہے یا تصور خیر کو حق پر؟ کیا تصور خیر [Concept of good] یعنی تصور حقیقت [Concept of Reality] اور مابعد الطبعیات [Metaphysics] سے حقوق نکلتے ہیں یا حقوق سے ذمہ داریاں و فرائض [Responsiblitites, Duties] نکلتے ہیں؟ مابعد الطبعیات پہلے ہوتی ہے یا علمیت پہلے۔ مابعد الطبعیات سے علمیت نکلتی ہے یا علمیت سے مابعد الطبعیات نکلتی ہے؟ کیا حقوق مجرد کوئی شے ہیں یا کسی کُل یا نظام خیر کا ایک جزو ہیں۔ کیا تصور خیر اور تصور حقوق کو الگ الگ کیا جاسکتا ہے یا دونوں ایک دوسرے سے پیوستہ ہیں؟ کیا فرائض اور حقوق کا چولی دامن کا ساتھ ہے یا حقوق کا فرائض سے کوئی تعلق نہیں؟ کیا حقوق اللہ اور حقوق العباد ایک دوسرے سے پیوستہ وابستہ ہیں یا الگ الگ حقوق اللہ سے حقوق العباد نکلتے ہیں یا حقوق العباد سے حقوق اللہ اخذ ہوتے ہیں؟۔ کیا اسلام میں مغرب کے کافرانہ تصور حقوق [Concept of Rights] کا وجود پایا جاتا ہے؟ کیا اسلامی تاریخ میں انسانی حقوق کی جاہلانہ اصطلاح کبھی استعمال ہوئی ہے اسلام میں جب آپ ایک فریضۂ دینی ادا کرتے ہیں تو اس کے نتیجے میں کسی دوسرے عبد کو اس فریضہ دینی کی تکمیل کے نتیجے میں کچھ فوائد مل جاتے ہیں مثلاً ماں باپ کی خدمت دینی فریضہ ہے یہ نص سے ثابت ہے اس نص پر عمل کے نتیجے میں ماں باپ کی خدمت کی جاتی ہے لہٰذا یہ ماں باپ کا حق ہے یہ مجرد حق نہیں ہے یہ اس فرض کا ثمر ہے جو والدین سے محبت کے نتیجے میں نکلتا ہے یہ مالک الملک کا حکم، فریضہ دینی ہے کہ ماں باپ کی خدمت کرو ورنہ جہنم تمہارے لئے لازمی ہے ماں باپ اپنے بچے کو آگ سے بچانے کے لئے توجہ دلائیں گے کہ بیٹے تمہارا دین نامکمل ہے اگر تم اپنے رب کا حکم نہ مانو یہ فریضہ دینی ہے ہمارا مطالبہ اور حق نہیں حکم خداوندی ہے اسلام میں تو جمہوریت کی اصطلاح کا بھی کبھی وجود نہیں رہا پروفیسر خورشید کی تحقیق کے مطابق جمہوریت کی اصطلاح اسلامی تاریخ میں سب سے پہلے ترکی میں اٹھارہویں صدی میں استعمال ہوئی [ترجمان القرآن ص ۴۸ فروری ۲۰۰۸] اسلامی تاریخ میں جمہور، مسلک جمہور، جمہور علماء کی اصطلاح استعمال ہوئی ہے لیکن ان دینی اصطلاحات کا جدید جاہلیت خالصہ جمہوریت سے [عوام کی حاکمیت] کوئی تعلق نہیں اسلام میں جہلاء عوام کالانعام کی کوئی رائے نہیں کوئی حاکمیت نہیں یہاں حاکمیت اسلامی علمیت کی ہے جس کے وارث علماء ہیں جو اجماع امت کے ذریعے اس راستے کو متعین کرتے ہیں جس پر امت کو چلنا ہے اور اجماع انسانی عقل کے نتیجے میں پیدا ہونے والے فطری اختلافات، نقطۂ ہائے نظر کے تنازعات کو حل کرنے کا وہ محور، منہاج، مدار اور کسوٹی ہے جس کی مثال پوری تاریخ انسانی میں نہیں ملتی سائنس، فلسفہ شاعری، اجماع کے منہاج علم سے محروم اور لا تعلق ہیں جس کی وجہ سے کبھی وہاں کثرت کے باوجود وحدت پیدا نہیں ہوتی یہ دین اسلامی کا کمال ہے کہ آراء کے اختلاف اور عقلی اختلاف کے باوجود، تنوع، کثرت، مختلف مکاتب فکر، مختلف نقطۂ ہائے نظر کے باوجود اجماع کثرت کو وحدت میں بدل کر اس امت کو

تاریخ کی عظیم امت بنادیتا ہے جو سراسر خیر ہے۔ اسلامی علمیت میں منہاج علم حقوق ہے یا خیر؟ کیا حقوق اس لیے دیے گئے ہیں کہ مالک الملک کا بندے کے نفس پر کوئی حق باقی نہ رہے یا ہر حق [Right] اس الحق، خیر، ما بعد الطبیعیات [Reality, Good, Metaphysic] کے تابع ہوجائے جسے اسلام اور دین حق کہتے ہیں؟ کیا حقوق العباد کو پورا کرنے کے لیے حقوق اللہ کو معطل کیا جاسکتا ہے[نعوذ باللہ]۔ اس معطّلی کا طریقہ کار کیا ہے؟ کیا حقوق اللہ کی حفاظت کے لیے حقوق العباد ترک کیے جاسکتے ہیں اگر ترک کیے جاسکتے ہیں تو اس کی آخری حد کیا ہے؟ اگر کوئی باپ اپنے بیٹے کی شادی میں شرکت سے اس بنیاد پر انکار کردے کہ دعوت میں تاخیر کے باعث وہ فجر کی نماز سے محروم ہوجائے گا تو کیا اس باپ کا یہ رویہ قطع رحمی ہوگی اس سے تعلقات میں دراڑ پڑے گی اور محبت ومودت کا خاتمہ ہوگا کیا محبت کی خاطر فجر کی نماز قضاء کی جاسکتی ہے؟ کیا اس دلیل کو بنیاد بنایا جاسکتا ہے کہ حقوق اللہ تو معاف ہوسکتے ہیں حقوق العباد کسی صورت معاف نہیں ہوسکتے لہٰذا شادی میں شرکت لازمی ہے نماز بھی لازمی ہے لیکن محبت کی عبادت کو رب کی عبادت پر ترجیح دی جاسکتی ہے؟ ایک مشہور شاعر کا قصہ ہے کہ نماز پڑھتے ہوئے مصرع کی آمد ہوئی سلام پھیر کر نماز توڑ دی کاغذ نکالا مصرع لکھا اور دوبارہ نیت باندھ لی ایک بزرگ نے زجر وتوبیخ کی اور پوچھا کہ یہ کیا حرکت ہے؟ تو جواب ملا حضرت والا نماز کی قضاء ہوسکتی ہے۔ مصرع کی قضاء نہیں ہوسکتی کیا امت مسلمہ آج کل اس شاعر کی اتباع میں مصروف نہیں ہے؟ ایک اہم جائزہ

[۱۷] مغرب کی تباہی کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ سترہویں صدی کی تحریک تنویر، تحریک نشاۃ ثانیہ نے انسانی زندگی اور انسان کو صرف اور صرف عقلیت [Rationality] کے دائرے میں محصور کردیا ہے۔ انسان کو تاریخ میں پہلی مرتبہ صرف اور صرف ایک عقلی وجود [Rational being] تصور کیا گیا انسان کی تمام صلاحیتوں، تمام جذبوں، اس کے باطن، ذہن، دماغ، دل، فواد میں پوشیدہ امکانات و ممکنات اس کے جذبات، احساسات، وجدان، محسوسات کی دنیا کو عقل سے کاٹ دیا گیا حالانکہ عقل خود جذبات کی نفس کی اور خود فرد کی غلام ہے Reason is the slave of passions تاریخ میں پہلی مرتبہ انسان کو سمندر کے بجائے قطرہ، دجلہ کے بجائے بوند، سورج کے بجائے کرن، چاند کے بجائے شعاع اور صحراء بے کنار کے بجائے محض ایک ذرہ حقیر سمجھ کر اس کی وسعتوں، پہنائیوں، گہرائیوں، امکانات، صلاحیتوں کو صرف ایک لفظ ''عقلیت'' میں سمونے کی کوشش کی گئی یہ کوشش تاریخ فلسفہ میں جدیدیت Modrenism کہلاتی ہے اس فلسفے کو ماننے والا [Modren man] کہلاتا ہے اس فلسفے پر عمل کا طریقہ اسلوب، طور، رویہ جدیدیت کاری [Modrenity] کہلاتی ہے۔ جدیدیت نے پہلی مرتبہ یہ تصور دیا کہ صرف عقل ہی واحد ماخذ علم ہے عقلیت تمام مابعد الطبیعیاتی اور طبیعیاتی سوالات کا جواب دے سکتی ہے یہی عقل رہنما، دستگیر، ہدف، منزل، ایمان سب کچھ ہے اس نقطۂ نظر کے نتیجے میں مابعد الطبعیات سے لے کر روحانیات، دینیات، معاشرت، رسوم ورواج تاریخ وتہذیب کے تمام فیصلے عقل کی روشنی میں کیے جانے لگے۔ وجود انسانی کو صرف اور صرف عقل پر موقوف ومنحصر [Depend] کردیا گیا۔ مغرب سے مرعوبیت کے باعث عالم اسلام میں اس کا ردعمل یہ ہوا کہ دین کو ایک کلیت میں سمجھنے، پرکھنے، دیکھنے کے بجائے حدیث جبریل کی روشنی میں دین کی حقیقت اور روح کو جان لینے کے بجائے مغرب کی پیروی میں سارا دین قانون کے کوزے میں بند کردیا گیا۔ کوئی بھی مسئلہ سامنے آیا تو اس کا منظر پس منظر تہہ منظر پیش منظر دیکھے بغیر فوراً ایک فتویٰ صادر کیا جانے لگا جس کے نتیجے میں ابہام پیدا ہوا، جب بھی کوئی سائل سوال پوچھتا ہے تو وہ صرف اپنا ذاتی مسئلہ نہیں پوچھتا وہ اپنے زمان ومکان، اپنے اطراف وجوانب اپنی تاریخ وتہذیب ومعاشرت میں آنے والی تمدنی، تہذیبی تبدیلیوں کا اثر، اپنی ذات شخصیت اور نفس میں آنے والی ناقابل بیان اور ناقابل تصور تبدیلیوں کا ادراک کرکے غیر شعوری طور پر ان تبدیلیوں کے بارے میں سوال کرتا ہے جواب دینے والا فقیہہ اگر اپنے عہد سے واقف نہیں ہے تو اس کا جواب ابہام پیدا کردے گا، اسی لیے افتاء کی ذمہ داری نہایت نازک ذمہ داری ہے۔ ہر کہہ ومہہ کے لیے مشق ستم کا ذریعہ نہیں ہے۔ سوال یوں ہی نہیں پیدا ہوجاتے سوال سامنے آتے ہی یہ بات بھی سامنے آنی چاہیے کہ معاشرے میں کیا تبدیلی آئی ہے؟ کیا تغیر برپا ہوا ہے یہ سوال اس سے پہلے کیوں نہیں اٹھا۔ سوال

پورے معاشرے سے متعلق ہے یا کسی خاص گروہ، طبقے، علاقے، برادری کے خاص مسئلے سے متعلق ہے۔ کیا سوال اس علاقے میں آنے والی سماجی، معاشرتی، معاشی، سیاسی تبدیلیوں اور سرگرمیوں کا شاخسانہ تو نہیں۔ سوال اور معاشرے کے اس تعلق کی اہمیت اور نوعیت کو سمجھے اور واضح کیے بغیر سوال کا جواب نامکمل ہوگا۔ ہر سادہ سوال عصر حاضر میں فی الحقیقت ایک پیچیدہ تمدن وتہذیب کے تناظر میں ابھرنے والی تبدیلیوں اور در آنے والے فتنوں کا مخفی اظہار ہے۔ اس عہد کی بجلیاں سوال کے نشیمن میں چھپی ہوئی ہوتی ہیں۔ ان کو دیکھنے کے لیے نظر کی اور خبر کی ضرورت ہوتی ہے نفس کی نہیں جب خبر ونظر کو نظر انداز کر دیا جائے تو ایک غیر فقیہہ یہ جواب دیتا ہے کہ یہ سوال ہماری تاریخ میں کبھی نہیں اٹھا۔ فقہی نظائر اس بارے میں خاموش ہیں۔ فقیہہ صرف فقیہہ نہیں ولی بھی ہوتا ہے وہ عارف ہوتا ہے وہ دین کی گہرائیوں میں ڈوبا ہوا ہوتا ہے۔ وہ صرف جواب دینے کی مشین یا پڑیا باندھنے والا کارندہ نہیں ہوتا اسی لیے فقیہہ سائل پر توجہ کرتا ہے اس کی کیفیات دیکھتا ہے، اس کے نفس کا اندازہ اپنی نگاہ بصیرت سے کرتا ہے۔ وہ مسائل کا حال اور مقام بھی دیکھتا ہے اس کی نفسی قلبی ذہنی کیفیات پر بھی نظر رکھتا ہے کیونکہ اسلامی تاریخ میں سوال ایک علمی مشق، دل لگی، ٹھٹھول، وقت گزاری کا مشغلہ، لہو ولعب کا وسیلہ نہیں تزکیہ نفس تزکیہ قلب اور حصول علم کا ذریعہ ہے تاکہ معرفت رب حاصل کی جاسکے اسی لئے ہر بہترین فقیہہ یہ ضرور دیکھتا ہے کہ سوائل کے سوال کا مقصد کیا ہے؟ مسئلے کا حل، مسئلے کا علم، بحث میں الجھنا، فقیہہ کو الجھانا، امت کو فتنوں میں مبتلا کرنا، کوئی درست بات غلط وقت پر پوچھ کر اپنے نفس کی تسکین کرنا اور لوگوں کو آزمائش میں ڈالنا، روحانیت کا حصول، دانش کا حصول، علم کا حصول یا اس دلیل کا حصول جو سائل کی شیطنیت ارادہ انسانی خواہش نفس کو ممکن العمل بنادے فقیہہ سوال اور سائل کو دیکھ کر یہ اندازہ لگا لیتا ہے۔ قدیم فقہاء وعلماء کا دستور تھا کہ اگر کسی دوسرے علاقے سے کوئی آکر فتویٰ پوچھتا تو وہ اس شخص اسی دیار وامصار کے علماء وفقہاء سے رجوع کرنے کا حکم دیتے، بسا اوقات سائل شکوہ کرتا، غصہ میں آتا، ناراض ہوتا کہ میں میلوں کا سفر طے کر کے آپ کی شہرت کا سن کر آپ سے فتویٰ لینے آیا ہوں۔ آپ مجھے واپس میرے شہر کے علماء کے سپرد کر رہے ہیں تو فقہاء نہایت محبت سے جواب دیتے تھے کہ وہیں جاؤ ان سے فتوی لو، ہر علاقے کے علماء لوگوں کی ضروریات، تکالیف، مسائل، مشکلات کے حقیقی منظر پس منظر تہہ منظر پیش منظر سے بخوبی واقف ہوتے ہیں۔ ایسی واقفیت دور دراز کے علماء کو نہیں ہوتی لہٰذا بہت سے مسائل میں اس علاقے کا فقیہہ عالم، مفتی زیادہ بہتر فتویٰ دے سکتا ہے، اس طریقہ کار پر قدیم علماء وفقہاء کے اصرار کی وجہ یہ تھی کہ سائل کا تعلق اس کے دیار کے علماء سے جوڑا جائے، ان میں قربت، محبت ومودت پیدا کی جائے، اسے علماء کی صحبت میں شرکت کے قابل بنایا جائے سائل کا تعلق اپنے دیار کے عالم سے ہو یعنی فرد کا تعلق فرد سے ہو اس کے بغیر نہ اجتماعیت وجود میں آتی ہے نہ روحانیت حاصل ہوتی ہے۔ اپنے محلے کی مسجد کے امام، علاقے کے صاحب علم سے رجوع اس لیے بھی ضروری ہے کہ اطراف وجوانب اور قرب وجوار اور محل وقوع میں موجود عارف فقیہہ مفتی اس سوال کی حقیقت ماہیئت نوعیت سے زیادہ واقف ہوسکتا ہے۔ جو سوال کسی خاص علاقے کے خاص مسئلے سے متعلق ہو وہ زیادہ بہتر جواب دے گا اس کا سائل سے ایک زندہ تعلق ہے۔ وہ زندہ وجود کے بہت سے لاحقے وسابقے سمجھ سکتا ہے، اگر نہیں سمجھتا تو اسے یہ سمجھنا چاہیے اسی لیے رجسٹرڈ خطوط، فیکس، ڈاک خانے، فون، ای میل کے ذریعے ہر قسم کے مسائل کا حل اور سوالات کا جواب نہ مطلوب ہے نہ مقصود نہ محمود بلکہ بسا اوقات مردود ہے کیونکہ اس کے نتیجے میں بعض ایسے مسائل، مباحث پیچیدگیاں جنم لیتی ہیں جو سائل کو نہ دین کا رکھتی ہیں نہ دنیا کا، ای میل اور ویب سائٹ کے ذریعے عالم اسلام میں آنے والے فتوؤں کی بہار کے نقصانات کا پہلا اجمالی جائزہ جو حیرت کے دریچے کھول دے گا۔

[۱۸] اس نقطہ نظر کا جائزہ کہ جدید ایجادات، ترقی کے نتیجے میں جو سہولیات پیدا ہوئیں اس کا دوسرا رخ یہ ہے کہ معلومات [Information] میں بے پناہ اضافہ ہوا۔ علم [Knowledge] سمٹ گیا، تعلیم عام ہوئی علم ختم ہوگیا علم حاصل کرنے کے بے شمار اسباب پیدا ہوئے، کتاب، کیسٹ، وڈیو، پروجیکٹر، ڈی وی ڈی، ٹیپ ریکارڈر، ملٹی میڈیا، انٹرنیٹ، ای میل، ایس ایم ایس، موبائل فون، فون سروس، دینی پروگرام، ٹاک شو لیکن اس کے نتیجے میں ایمان کی نعمت میں اضافہ نہیں ہوا۔ واضح طور پر کمی آئی بلکہ علم وعمل کی دنیا

میں اس قدر انحطاط پیدا ہوا ہے کہ پوری تاریخ اسلامی میں ایسا انحطاط، دین سے ایسی دوری، فسق و فجور میں ایسی دلچسپی کبھی نظر نہیں آئی جدید سہولیات کے نتیجے میں معلومات ملتی گئیں لیکن گہرائی، رسوخ علم، ارتکاز، استحضار، سب ختم ہو گئے۔ مثلاً مسلمانوں کی پندرہ سو سال تاریخ میں پورے عالم اسلام میں قرآن کے اتنے نسخے نہیں تھے جتنے نسخے اس وقت صرف کراچی شہر میں ہیں ہر گھر میں قرآن کے پانچ چھ نسخے عام بات ہے لیکن فجر کے بعد اور رات کو عشاء کے بعد حتّیٰ کہ جمعہ کے دن یا جمعہ کی نماز سے پہلے یا جمعہ کی نماز کے بعد کتنے لوگ قرآن حکیم کی تلاوت کرتے ہیں، نسخے بڑھ گئے، تلاوت کی روایت ہی ختم ہوگئی آخر کیوں؟ کتنے گھروں سے صبح و شام قرآن کی آواز آتی ہے کان اس آواز کو سننے کے لئے ترس گئے ہیں ہر گھر میں ٹیپ ریکارڈر ہے لیکن کسی گھر سے تلاوت قرآن کی آواز آتی ہے؟ کس گاڑی میں تلاوت گونجتی ہے؟ ہر شخص کے پاس گاڑی ہے لیکن اب نماز جمعہ اور نماز عیدین کا ویسا اہتمام نہیں ہوتا جیسا کہ ۱۹۷۰ء میں ہوتا تھا، جب کراچی میں بہت کم لوگوں کے پاس گاڑیاں تھیں لیکن عیدین جمعہ اور دیگر اہم ایام اسلامی میں لوگ اپنے محلے علاقے سے نکل کر بڑی بڑی مساجد جانے کا خاص اہتمام کرتے اور بڑے بڑے علماء کے یہاں حاضر ہوتے بسوں میں پیدل اپنے بچوں کو لے کر جاتے دوست واحباب مل جل کر یہ پروگرام بناتے۔ اب گاڑیاں ہیں لیکن اس طرح کا کوئی اہتمام نہیں سب قریب ترین مسجد میں جا کر نماز کا بوجھ اتار دیتے ہیں۔ وہ خشوع و خضوع ہی رخصت ہوگیا۔ وہ طلب تڑپ پیاس ہی مر گئی آخر کیوں؟ ٹی وی پر کھانا پکانے کے کئی چینل ہیں، کھانا پکانے کے کئی رسالے ہیں، چٹنیاں بنانے کے کئی چینل ہیں، لیکن عصر حاضر کی لڑکیاں نہایت نکمی، پھوہڑ، بے کار ہیں نہ انھیں کھانا پکانا آتا ہے نہ چٹنی بنانی آتی ہے نہ وہ کوئی خاص پکوان تیار کرسکتی ہیں۔ البتہ باہر نت نئے کھانے کھانے کا اتنا شوق بڑھ گیا ہے کہ پوری تاریخ اسلامی میں اس شوق کی کوئی مثال نہیں ملتی اور یہ شوق امام شاطبی کے الفاظ میں عقل، دین، نفس، مال اور نسل کے لئے نہایت تباہ کن ہے لہٰذا مقاصد شریعہ سے کلی انحراف پر اس شوق کی اساس رکھی گئی ہے۔ بازار کے کھانے گھروں میں آنے لگے یا گھر والے اکثر بازار جا کر کھانے لگے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ چینل کھانا پکانے کا کھلتا ہے اور لوگ باہر جا کر کھانا کھانا شروع کر دیتے ہیں آخر مسئلہ کیا ہے؟ ہر گھر میں اوون رکھا ہے، ہر لڑکی کو جہیز میں ملتا ہے لیکن آج تک کراچی میں ایک گھر ایسا نہیں دیکھا جہاں اس اون کے اندر بسکٹ، ڈبل روٹی، کیک بنتے ہوئے دیکھے ہوں، پھر یہ اوون کیوں خریدے گئے ہیں؟ عورتوں کو بسکٹ، کیک، ڈبل روٹی بنانا ہی نہیں آتی پھر انھوں نے ہزاروں روپے کا یہ ڈبہ اور یہ چولہا کیوں خرید رکھا ہے؟ اس کے برعکس ہر گلی میں بیکری کی دکانیں کھلتی چلی جاتی ہیں جس گھر میں فوڈ فیکٹری ہے وہاں کوئی عورت اس کو استعمال کرتی ہوئی نظر نہیں آتی، سارا فوڈ باہر سے آتا ہے، گاجر، موسمبی، کینو، مولی، کسی کا رس نہیں نکالا جاتا سب نیسلے کے سڑے ہوئے بدذائقہ، زہریلے کڑوے کسیلے قاتل صحت رس خوشی خوشی استعمال کرتے ہیں، بازار سے تیار شدہ مصالحے خرید لیے جاتے ہیں تو پھر فوڈ فیکٹری کیوں خریدی جاتی ہے؟ ہر گھر میں سلائی مشین ہے لیکن کوئی عورت کپڑے سیتی ہوئی نظر نہیں آتی، ہر عورت بازار سے ہزاروں روپے کے کپڑے خریدتی رہتی ہے اور شکوہ کرتی ہے کہ کپڑے بہت مہنگے ہوگئے ہیں۔ مہنگائی کا رونا ہر عورت روتی ہے لیکن ہر محلے میں تنور کے سامنے ایک ایک میل کی قطار لگی ہوتی ہے۔ آخر مہنگی روٹیاں کیوں خریدی جارہی ہیں؟ مہنگائی کے باوجود کوئی عورت صبح شوہر بچوں کو ناشتہ نہیں دیتی اور دوپہر کا کھانا باندھ کر ساتھ نہیں دیتی نہ بچوں کو کچھ بنا کر دیتی ہے۔ گھروں میں مہمانوں کے لیے کچھ نہیں بنتا۔ بوتل بسکٹ، بیکری کی اشیاء سب بازار سے آتی ہیں۔ آخر کیا تغیر برپا ہوگیا ہے کہ عورتوں کو مردوں کو کوئی کام نہیں ہے اور مہنگائی کا رونا بھی ہے لیکن طرز عمل میں کوئی تبدیلی بھی نہیں ہے۔ ہر گھر میں دس بارہ گھڑیاں ہیں لیکن کوئی وقت کی پابندی نہیں کرتا ٹی وی، ریڈیو، پر دینی پروگراموں کی بہتات ہے جسے دیکھئے دین کے بڑے بڑے مسائل پر بحث کر رہا ہے، تنقید کر رہا ہے، علماء پر اعتراض اٹھا رہا ہے تاریخ اسلامی کو سوالیہ نشان بنا دیا گیا ہے لیکن حال یہ ہے کہ ٹی وی، انٹرنیٹ، ویڈیو، کیسٹ سے دین حاصل کرنے والی نسل کا تازہ ترین سروے کیا گیا جس میں مختلف طبقات کے نوجوانوں، ادھیڑ عمر کے لوگوں، عورتوں، لڑکیوں سے جو دینی پروگرام بہت ذوق و شوق سے سنتے ہیں جن کی تعداد پانچ ہزار تھی صرف ایک سوال پوچھا گیا کہ کوہ سینا، کوہ صفاء، کوہ فاران، شب قدر، شب برات اور شب معراج میں کیا فرق

ہے تو پانچ ہزار میں سے صرف تین افراد کو درست جواب معلوم تھا۔ معلومات کا طوفان، اطلاعات کا طومار، مباحثوں اور مکالموں کی فصل بہار، دلائل کے انبار، بھانت بھانت کی بولیاں، ہر احمق جدید جاہل مفکرین اسلام کے ذریعے عوام تک پہنچ رہی ہیں ایسے میں علم رخصت ہو جاتا ہے اور سطحیت اور شیطنت عام ہو جاتی ہے۔ اصل سوال جس پر غور کی ضرورت ہے وہ یہ کہ ٹی وی ہمیں بہ ظاہر کیا سکھا رہا ہوتا ہے لیکن حقیقت میں ہم کیا سیکھتے ہیں؟ کیا ٹی وی ہمیں وہی سکھانا چاہتا ہے جو ہم آنکھ سے دیکھ رہے ہیں یا اس ظاہر کے پیچھے ٹی وی کا غائب از نظر ہدف ہے جو وہ ہم تک نہایت مخفی طور پر خاموشی سے ان دیکھے، ان بوجھے طریقے سے پہنچا دیتا ہے۔ عالم اسلام میں باطنی تحریک کے اثرات سے سب واقف ہیں کیا ٹی وی اسی باطنی تحریک کا نیا روپ تو نہیں ہے جو انسان کے قلب کو، اس کے باطن کو، اس کی روح کو خاموشی سے تبدیل کر رہا ہے لیکن اس نے نقاب بہت خوبصورت پہن رکھی ہے اتنی خوبصورت کہ اب حضرت مفتی تقی عثمانی بھی اس نقاب کی عظمت کے قائل ہو گئے ہیں۔ مسئلہ صرف ٹی وی کا نہیں جدید سائنس اور اس کے فوائد کا بھی ہے۔ کیا جدید سائنس اپنے آپ کو دین کا خادم ثابت کر کے اپنی تجلیات کے ذریعے ہمیں دین سے برگزشتہ کرنے کی کوشش تو نہیں کر رہی کیا وجہ ہے کہ جدید سائنس ٹکنالوجی، کے ذریعے دین کو جس شدت سے پھیلایا جا رہا ہے دین اسی تیزی سے سمٹ رہا ہے، اس کی روحانیت کم زور ہو رہی ہے اور بے دینی بڑھتی جا رہی ہے۔ اس وقت صرف کراچی میں اگر مختلف مسلمہ مکاتب فکر کے علماء کی تقاریر کی کیسٹ اکٹھی کر لی جائیں تو وہ ہزاروں کی تعداد میں ہیں، اگر انھیں کوئی سننا چاہے تو اس مختصر زندگی میں نہیں سن سکتا اس قدر تقاریر کے باوجود عوام کا عمل دین پر برائے نام ہے اور علم بھی برائے نام ہے آخر کیا وجہ ہے کہ جدید سائنس کی تمام سہولتوں سے استفادہ کے باوجود عوام کا علم و عمل مسلسل سمٹ رہا ہے۔ کیا جدید سائنس میں کوئی مسئلہ ہے یا ہم مسلمانوں میں کوئی ایسا ٹیڑھ پن ہے کہ ہم سیدھے نہیں ہو سکتے۔ جدید سائنسی ایجادات کے استعمال سے دین کا پروپیگنڈہ تو بہت ہو رہا ہے لیکن دین کی گہرائی، تفقہ، رحمت و برکت کہیں نظر نہیں آتی دینی تحریکوں سے وابستہ لوگوں کے رہن سہن، میل جول، تہذیب و تمدن، دعوتوں کے اوقات و اسلوب اور بے دینوں کے رویے میں کوئی فرق تلاش کرنا خاصہ مشکل کام ہو گیا ہے دین دار گھرانوں کی عورتوں کے لباس و اطوار اور بے دینوں آزاد خیالوں کے بچوں کے لباس طور و اطوار میں کوئی فرق نظر نہیں آیا آخر یہ تبدیلی کیوں پیدا ہو گئی ہے کون پیدا کر رہا ہے؟ ایک اہم جائزہ۔

[۱۹] واشنگٹن پوسٹ نے گزشتہ سال دنیا بھر میں توہین رسالت کے ردعمل میں مسلمانوں کے مظاہروں پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا کہ ''دنیا بھر میں مسلمانوں کے مظاہروں نے اس بات کو ثابت کر دیا ہے کہ مغربی فکر و فلسفے اور اس کی سائنس و ٹیکنالوجی سے استفادے کے سو برس گزرنے کے باوجود مسلمان ابھی تک جدیدیت پسند [Modren] نہیں ہو سکے۔ ان کے رشتے ابھی تک ان کی قدیم تاریخ میں پیوست ہیں، پورا عالم اسلام ابھی تک دقیانوسی ہے اور قدامت پرستی کے مرض میں مبتلا ہے۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ پورے عالم اسلام سے ابھی تک ایک ایسا مسلمان نہیں اٹھا جو مغرب کا ہم نوا ہو اور اپنے مسلمانوں میں کھڑے ہو کر کہہ سکے کہ توہین رسالت میں کوئی حرج نہیں یہ آزادی اظہار رائے کا مسئلہ ہے''۔ بہ ظاہر یہ بات تو درست ہے کیونکہ آزادی اظہار رائے کو بنیادی حقوق کے منشور میں شامل کیا گیا ہے اور تمام مسلمان ممالک نے اقوام متحدہ کے چارٹر پر دستخط کیے ہیں اور تمام اسلامی تحریکوں نے حقوق انسانی کے منشور کو عین اسلامی قرار دیا ہے اور آزادی اظہار رائے کو خالص اسلامی قرآنی روایت کے طور پر متعارف کرایا ہے اور اس روایت کے تحفظ کے لئے پاکستان کے ٹی وی چینلوں کی بھرپور وکالت شرعی لبادے میں کی گئی ہے لہٰذا بحیثیت مسلمان ہم اس عہد معاہدے کے پابند ہیں اور ہمیں توہین رسالت بخوشی برداشت کرنی چاہیے [نعوذ باللہ ان جدیدت پسند علماء کو خدا کا خوف کرنا چاہیے جو انسانی حقوق اور آزادی اظہار رائے کو عین اسلامی قرار دیتے ہیں] ورنہ یہ معاہدے کی خلاف ورزی ہوگی اور اللہ اور اس کے رسول کا حکم نص سے ثابت ہے کہ جب کفار و مشرکین سے معاہدے کرو تو انھیں ہر حال میں پورا کرو۔ دوسرے لفظوں میں واشنگٹن پوسٹ یہ کہنا چاہتا ہے کہ عالم اسلام ابھی تک قدامت پرستی کے اتنے زبردست نرغے میں ہے کہ پرویز مشرف، حسنی مبارک، قطر کا امیر، اردن کا شہنشاہ، سعودی عرب کا فرماں روا جو

مغرب کے نہایت مخلص حلیف ہیں، ان میں سے کسی کی ہمت نہیں کہ وہ توہین رسالت کی اجازت کو بنیادی حقوق کے معاملے سے متعلق کر دیں اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے حلیف مسلم حکمراں اور جن پر مغرب والے بے پناہ اعتماد کرتے ہیں، اعتماد کے زیادہ لائق نہیں یہ اندر سے مسلمان ہیں ماڈرن نہیں ہو سکے، خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی۔ حقیقت میں واشنگٹن پوسٹ کا تبصرہ نہایت اہم تبصرہ ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ پرویز مشرف اور حسنی مبارک بھی رسالت مآب کے بارے میں توہین کا کوئی لفظ سننے کے لیے تیار نہیں، لیکن کیا ایمان کی یہ حالت اور یہ استحکام اگلے چند برسوں میں برقرار رہ سکے گا؟ علماء کرام اس سوال پر غور نہیں کر رہے اگر وہ خاموش رہے اور فتنوں سے بے پرواہ رہے تو اسی عالم اسلام سے وہ لوگ اٹھیں گے جو مغرب کی اس خواہش کو پورا کر کے بتا دیں گے کہ عالم اسلام جدید ہو گیا ہے۔ وہ وقت زیادہ دور نہیں ہے اس لئے کہ علماء کی غفلت، مداہنت، خاموشی اور کوئی اجتماعی موثر حکمت عملی نہ ہونے کے باعث ٹی وی پر اسلام کے خلاف سرعام وہ زہر اگلا جا رہا ہے جس کا آج سے چار سال پہلے تصور تک نہیں کیا جا سکتا تھا اسلام کی ایک ایک قدر، تصور، عقیدے، اجماع، پر مسلسل حملے ہو رہے ہیں جیو ٹی وی اس سلسلے میں خاص کردار ادا کر رہا ہے لیکن علماء نے کبھی جیو ٹی وی کی مذمت کرنے اس کے خلاف احتجاج کرنے کی ہمت نہیں کی کیونکہ سب اسے موثر ترین ٹی وی سمجھتے ہیں اس پر آنا باعث فخر تصور کرتے ہیں اس ٹی وی سے اپنے مسلک کے فروغ کو دین کے انہدام پر فوقیت دیتے ہیں آج تک علماء نے جیو ٹی وی کے خلاف کوئی سخت موقف اختیار نہیں کیا بلکہ اس کی خدمات کی تعریفیں کی ہیں یہ مدا ہنت اللہ اور اس کے رسول کو کسی صورت گوارا نہیں ہے اسلام پر حملوں کا یہ سلسلہ اگر جاری رہا اور علماء اسی طرح مصلحت کے اسیر رہے تو وہ وقت آنے والا ہے کہ لوگ علماء کی بات سننے اور ان کا فتویٰ ماننے سے انکار کر دیں گے علماء کی وقعت و عزت جس تیزی سے کم ہو رہی ہے اس کا ثبوت بڑھتی ہوئی بے حیائی آوارگی اور ٹی وی پر اسلام کے خلاف مہم ہے لہٰذا وہ آفت آنے سے پہلے علماء کی ذمہ داری ہے کہ وہ امت کی تعلیم و تربیت کے لیے اس میں چھپی ہوئی ایمان کی چنگاریوں کو فروزاں کرنے کے لیے ایک نئے جذبے، ولولے کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوں، علماء کے لیے مستقبل کی تیاریوں کے حوالے سے چند اہم تجاویز۔

[۲۰] اسلام اور سائنس پر اردو انگریزی عربی فارسی میں اب تک جو کچھ اس موضوع کے حق میں لکھا گیا ہے اس پر سب سے مدلل تحریر ڈاکٹر محمد رفیع الدین سابق مدیر ''حکمت قرآن'' اور ڈائرکٹر اقبال اکیڈمی کی ہے ۱۹۶۴ء میں ڈاکٹر صاحب نے شام ہمدرد میں اپنا خطبہ پیش کیا ڈاکٹر صاحب فلسفی بھی تھے اور علوم اسلامیہ کے استاد بھی لہٰذا ان کا مضمون مغربی فلسفہ اور علوم اسلامیہ کے آمیختے سے تیار کیا گیا ہے۔ اس لئے دیگر چلتے ہوئے مضامین کے مقابلے میں یہ مضمون وقعت کا حامل ہے اس میں شبہ نہیں کہ رفیع الدین صاحب، عبدالباری ندوی، ماجد دریا آبادی، جاوید غامدی، وحید الدین خاں اور شہاب الدین ندوی اور ڈاکٹر نائیک کے مقابلے میں سائنس کے موضوع پر گہرا مذہبی علمی اور فلسفیانہ پس منظر رکھتے ہیں لیکن وہ ان سب کی طرح مغربی سائنس کے مظاہر و آثار سے بے حد مرعوب ہیں اور اس سائنس کا فروغ اس کی عظمت بیان کرنا ان کا مرغوب موضوع بھی ہے اس مرعوبیت کے باعث ان کے یہاں سائنس اور فلسفے کے حوالے سے بعض ایسے بیانات ملتے ہیں جو فلسفہ اور سائنس کی دنیا میں کسی فلسفی کے لئے قابل قبول نہیں ہیں ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ فلسفہ سائنس کی ایک شاخ ہے جو سائنس کے چار درجاتی مراحل کا آخری درجہ ہے سائنس کی تحقیق آخری درجے میں پہنچتی ہے تو اسے فلسفہ کہتے ہیں [ص ۱۳۲، مقالات شام ہمدرد ۱۹۶۴ء، مطبوعہ ہمدرد] یہ دعویٰ فلسفے کی ڈھائی ہزار سالہ تاریخ میں کسی نے نہیں کیا اور یہ دعویٰ ایک غلط، باطل، لغو دعویٰ ہے اس طرح ڈاکٹر صاحب نے سائنس کو نہایت بلند ترین درجہ عطا فرما دیا جو فلسفے اور فلسفہ سائنس کی تاریخ کے لئے ایک اجنبی، غلط اور ناقابل قبول تصور ہے۔ ایک جانب ڈاکٹر صاحب یہ غلط و لغو دعویٰ کرتے ہیں دوسری جانب یہ بھی لکھتے ہیں کہ سائنس کسی فلسفیانہ پس منظر کی محتاج ہے اور ہمیشہ حقیقت کائنات اور حقیقت علم کے متعلق کسی اعتقاد کے گہوارے میں پرورش پاتی ہے اسی لیے روس کی سائنس، سرمایہ دار عیسائی ممالک کی سائنس سے مختلف ہے دونوں میں سے ہر فریق دوسرے کی سائنس کو غلط قرار دیتا ہے دونوں فریق ایک ہی طرح کے مشاہدات سے مختلف نتائج اخذ کرتے ہیں جو ان کے نظریات کے مطابق ہوتے ہیں [ص ۱۶۱ مقالات شام ہمدرد ۱۹۶۴ء اسلام

اور سائنس سائنسی علوم کی ایک مثالی اسلامی یونیورسٹی کی ضرورت ڈاکٹر رفیع الدین محولہ بالا] ڈاکٹر صاحب کا دعویٰ ہے کہ خدا کی صفات کو کائنات سے الگ کرنے کے بعد اس کا سچا سائنسی مشاہدہ اور مطالعہ ممکن نہیں]ص ۱۵۰ ایضاً] سائنس کی کئی ہزار سال کی تاریخ ڈاکٹر صاحب کے اس بے بنیاد موقف کی تردید کے لئے کافی ہے خدا کے تصور سے سائنس کا کیا تعلق؟ سائنس حواس خمسہ سے تعلق رکھتی ہے جو بھی انھیں استعمال کرے گا سائنسی نتائج سے استنباط کرنے کی صلاحیت حاصل کرے گا خواہ وہ خدا پر یقین رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو۔ آخر عیسائی سائنس اور روسی سائنس دنیا کو چلا رہی ہے تو سائنس میں خدا کا تصور شامل کرنے سے کیا فرق پڑے گا خدا کے بغیر بھی سائنسی ترقی ہوسکتی ہے تو خدا کے ساتھ سائنسی ترقی امت مسلمہ کا اختصاص تو نہیں رہا۔ اس سوال اور اعتراض کا جو جواب ڈاکٹر رفیع الدین نے دیا ہے وہ جدیدیت کا شاہکار ہے فلسفہ میں علامہ اقبال کے شاگرد سے اسی قسم کے جواب کی امید کی جاسکتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ ''موجودہ سائنس کی ترقی رک گئی ہے اور خطرہ یہ ہے کہ یہ ختم ہوجائے کیونکہ یہ عقیدہ توحید اور اسلام کو نہیں مانتی'' ڈاکٹر صاحب اگر آج زندہ ہوتے تو سائنس کی رفتار ترقی دیکھ کر حیرت زدہ رہ جاتے سائنس کو خدا سے الگ کرنے کا نتیجہ ڈاکٹر صاحب کے الفاظ میں ''اس کی وجہ سے مادیّ اور حیاتیاتی سائنسوں کی ترقی کی رفتار متواتر سست ہوتی گئی اور نفسیاتی اور انسانی سائنسوں کی ترقی مدت ہوئی رکی پڑی ہے [ص ۱۵۸، محولہ بالا] لیکن ڈاکٹر صاحب یہ بتانا بھول گئے کہ کیا سائنس کی یہ ترقی خدا کو ماننے کی وجہ سے ہوئی تھی جواب خدا کو نہ ماننے سے رک گئی ہے۔ ظاہر ہے نہیں ڈاکٹر صاحب خود تسلیم کرتے ہیں کہ ''عیسائی مغرب کے خدا کے عقیدے کو سائنس سے خارج کردینا عالم انسانیت کا ایک المناک حادثہ ہے اس کی وجہ سے آج نوع انسانی ٹکڑوں میں بٹ گئی ہے۔ [ص ۱۵۸ء ایضاً]

ڈاکٹر صاحب کے خیال میں صرف محمد عربی کے ماننے والے Mohammaddan ہی موجودہ تمام سائنسی طریق تحقیق کے موجد تھے اور سائنسی علوم کی بنیاد بھی انہوں نے ہی رکھی تھی [ص ۱۵۲، محولہ بالا] یہ بھی ایک بے بنیاد احمقانہ دعویٰ اور تنقیص انبیاء ہے دوسرے لفظوں میں ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء میں سے کسی کو بھی سائنس کی روشنی نہ ملی وہ سب اندھیرے میں رہے تمام تہذیبوں کو رسالت محمدیؐ تک اللہ تعالیٰ نے اندھیرے میں رکھا اگر سائنس امت محمدی کے لئے نعمت تھی تو اللہ نے سابقہ امتوں اور بندوں کو انبیاء کو اس نعمت سے کیوں محروم رکھا اس کی نظر میں تو تمام بندے برابر ہیں۔ یہ کہنا کہ دنیا میں سائنس رسالت مآبؐ کے آنے کے بعد آئی یہ نہایت مہمل جاہلانہ دعویٰ ہے حسین نصر اور روایت کے مکتب فکر کا دعویٰ تو یہ ہے کہ سائنس بابل میں آنے والے نبی لے کر آئے اور فلسفہ حضرت ادریسؑ لے کر آئے تھے رفیع الدین صاحب یہ بھی نہیں بتاسکتے کہ حضرت سلیمانؑ، داؤدؑ، ذوالقرنینؑ کو جو علوم عقلیہ ملے تھے وہ کیا تھے وہ تو حضورؐ کی آمد سے پہلے کا زمانہ ہے یونان، چین، ہند، روم، ایران، بابل، موئنجو دڑو میں جو سائنسی ترقی ہوئی وہ تو حضورؐ کی آمد سے بہت پہلے ہوچکی تھی لہٰذا یہ جاہلانہ نقطۂ نظر کہ محمد عربی کے پیروکار ہی موجودہ سائنسی طریقہ تحقیق کے موجد ہیں علم کی دنیا میں نہایت طفلانہ استدلال ہے ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ ''سائنس کی ترقی آزادی، پرامن آزادانہ جستجوئے صداقت سے ممکن ہے آزادی ختم ہوجائے تو تحقیق علمی کی راہیں مسدود ہوجاتی ہیں ایسی حالت میں وہ کسی دوسری قوم کے غلام بن جاتے ہیں غرناطہ اور قرطبہ کی تباہی نے مسلمانوں کی صدیوں کی علمی تحقیق و جستجو کی روایت کو ختم کردیا۔ [اگر پرامن آزادی کا طویل دور انھیں نصیب ہوتا تو وہ اس قابل ہوجاتے کہ اپنی روایات کو زندہ کرسکیں [ص ۱۵۳ ایضاً] دوسرے لفظوں میں مسلمانوں کی سائنسی ترقی صرف اور صرف اسی وقت ممکن ہے جب مغرب ان غلام مسلمان ملکوں اور غلام آقاؤں کو آزادی دے دے ان کو پرامن ماحول مہیا کرے پھر اسلامی سائنس کا تماشہ دیکھے یعنی مسلمانوں کی سائنسی ترقی صرف اور صرف مغرب کی نظر کرم، محبت، التفات، پر منحصر ہے سوال یہ ہے کہ خلافت راشدہ میں جب مسلمان زیادہ آزاد تھے تب کوئی زبردست سائنسی ترقی کیوں نہ ہوئی۔ ڈاکٹر صاحب نے حضرت عیسیٰ پر الزام تراشی کرتے ہوئے فرمایا کہ انہوں نے نظری طور پر دین کو دنیا سے الگ کردیا تھا ان کی عملی زندگی بھی دین اور دنیا کے اس افتراق کا آئینہ ہے۔ [ص ۱۵۳ ایضاً] پیغمبر پر اس طرح کی الزام تراشی صریحاً طغیان اور بہتان ہے۔ ڈاکٹر صاحب اگر قرآن کو گہری نظر سے پڑھ لیتے تو ان کو اس کا جواب مل جاتا قرآن نے دو اور دو چار کی طرح بہت سی

آیات میں واضح کردیا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ حامل تورات بھی تھے اورانجیل بھی تھے قرآن نے ان دونوں کتابوں کے لئے کتاب اور حکمت کی اصطلاح استعمال کی قرآن حکیم کے بارے میں اللہ رب العزت نے کتاب وحکمت کی اصطلاح استعمال کی ہے اور منصب رسالت بھی یہی بتایا ہے کہ وہ کتاب وحکمت کی تعلیم دیتے اور قلوب کا تزکیہ کرتے لہٰذا یہ کہنا کہ پیغمبر دین و دنیا کو الگ کردیتے ہیں پیغمبروں پر بہتان ہے۔حضرت عیسیٰؑ نے تورات وانجیل کی تعلیمات کو عام کیا لہٰذا ان پر یہ الزام عائد کرنا کہ انھوں نے دین و دنیا کی تفریق کی اللہ کی سنت پر الزام تراشی ہے اور انبیاء کے مقصد بعثت سے ڈاکٹر رفیع الدین کی کامل ناواقفیت ہے۔ڈاکٹر صاحب کا خیال ہے کہ اگر مسلمان مظاہر قدرت کے مشاہدے اور مطالعے کا حق ادا کرکے ان کی حقیقت اور اصلیت کو پوری طرح سے سمجھ لیں اور ان کے تمام اسرار ورموز سے اور خدا کی ان تمام حکمتوں سے جو ان کے اندر پوشیدہ ہیں پوری طرح آگاہ ہو جائیں تو نتیجہ یہ ہوگا کہ تمام طبیعیاتی علوم وجود میں آجائیں گے۔[صحابہ کرام پر بہتان کہ وہ اسرار موز اور خدا کی حکمتوں سے بے خبر تھے،ساحل]اسی طرح مظاہر قدرت کا پورا مشاہدہ کریں یہاں تک کہ ان کے تمام اسرار ورموز سے آشنا ہو جائیں تو نتیجہ یہ ہوگا کہ تمام حیاتیاتی علوم مکمل طور پر وجود میں آجائیں گے اگر حقائق کا پورا پورا تجزیہ کریں اور ان کے معانی ومطالب اور ان کے نتائج ومضمرات پر اسباب وعوامل پر پوری طرح حاوی ہو جائیں تو تمام انسانی اور نفسیاتی علوم[بے چارے صحابہ کرام اس میدان میں بھی کورے رہے،ساحل]اپنی پوری تفصیلات کے ساتھ وجود میں آجاتے ہیں۔[ص ۱۴۰،۱۴۱،۱۴۲]ڈاکٹر صاحب کے ایسے بے سروپاء فلسفے کو مان لیا جائے تو یہ الزام بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ نعوذ باللہ رسالت مآبؐ اور ان کے تمام صحابہ کرام بے چارے قرآن اور اس کی آیات کو اس کی حکمت ودانش کو اس کے اسرار ورموز،اس کے غوامض،اس کے اعماق،اس کے صغریٰ کبریٰ اس کائنات کی اصلیت،حقیقت اور قرآن کے معانی ومطالب کو پوری طرح نہیں سمجھ سکے اور نہ ہی انہوں نے مظاہر قدرت پر کامل غور وخوض کیا جس کے باعث صحابہ کرام نہ طبعیاتی علوم ایجاد کرسکے نہ حیاتیاتی علوم نہ نفسیاتی یا انسانی علوم۔علم کی دنیا میں یہ نہایت جاہلانہ دعویٰ ہے ڈاکٹر صاحب دین کی روح اور اس کے مزاج سے بھی قطعی ناواقف ہیں اور علامہ اقبال کی طرح مغربی فلسفے وجدید سائنس سے اس درجہ متاثر ہیں کہ فرماتے ہیں حضورؐ کی دعا **الھم ارنا الاشیاء کماھیٰ** اے خدا ہمیں اشیاء کو اسی طرح سے دکھا جیسی کہ وہ درحقیقت ہیں۔'' حضورؐ کی یہ دعا گویا سائنسی طریق تحقیق کی حمایت کرتی ہے کیونکہ سائنسی طریقہ تحقیق کا مقصد یہی ہے کہ اشیاء ایسی ہی نظر آئیں جیسی کہ وہ درحقیقت ہیں[ص ۱۴۰]ڈاکٹر صاحب سائنس سے بھی ناواقف ہیں اس کی حدود وفلسفے سے بھی ناواقف ہیں انہوں نے کانٹ کے یہاں Nomineاور Phinomina کی بحث اور حقیقت [Reality] کے مباحث بھی نہیں پڑھے وہ سائنس کے مقاصد اور فلسفے سے بھی قطعاً نابلد ہیں اسی لئے وہ ایسی بات کی جسارت کررہے ہیں کہ سائنس کا مقصد اشیاء کی حقیقت معلوم کرنا ہے یہ خیال سترہویں صدی میں تو پیش کیا گیا تھا لیکن کانٹ کی تنقید عقل محض اور اخلاقیات مابعدالطبیعیات کی اشاعت کے بعد یہ تصور سائنس کی دنیا سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رخصت کردیا گیا آج دنیا کا کوئی سائنس داں اشیاء کی حقیقت معلوم کرنے کے لیے تحقیق نہیں کرتا اربوں کھربوں روپے سائنس پر حقیقت اشیاء کے لئے خرچ نہیں کیے جارہے۔سودخور سرمایہ دار اربوں روپے سائنس دانوں کو اس لیے نہیں دیتے کہ وہ اشیاء کی حقیقت معلوم کرکے سودخوروں کو بتائیں کہ ہم حقیقت مطلقہ تک پہنچ گئے۔حقیقت تک دولت کے ذریعے نہیں ذاتی محنت وحی الٰہی اور طلب قلبی کے ذریعہ پہنچا جاسکتا۔دنیا کی تاریخ میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ لوگ حقیقت معلوم کرنے کا کام کسی دوسرے کے سپرد کردیں اور اس کام کے لیے خود کوئی محنت کرنے کے بجائے صرف مال خرچ کردیں۔ڈاکٹر صاحب سائنس اور سرمایہ داری کے تعلق سے قطعاً واقف نہیں۔وہ سرمایہ داری کی تاریخ سے لاعلم ہیں اور صرف اپنے توہمات کو دینی تعبیر دے کر خواہ مخواہ اسے اسلام پر تھوپنا چاہتے ہیں سب سے زیادہ افسوس کی بات یہ ہے کہ شام ہمدرد میں کسی ایک نے ان کی تقریر پر اعتراض نہیں کیا اور عبدالماجد دریا آبادی زندگی بھر ڈاکٹر صاحب کے قصیدے لکھتے رہے راسخ العقیدگی کی آڑ میں بلاشبہ ڈاکٹر رفیع الدین نے اسلام کو جدید بنانے کی نہایت مخلصانہ کوششیں کیں لیکن محض ان کا اخلاص ان کے جرائم کا کفارہ نہیں بن سکتا اگر کوئی نہایت اخلاص سے امت کا برا چاہے تو اخلاص کی بنیاد پر درگزر ممکن

نہیں جس شخص کو مغربیت، جدیدیت، سرمایہ داری جدید سائنس وٹکنالوجی، استعماریت کے مباحث کا گہرا شعور نہیں ہوا اسے امت کی رہنمائی کے منصب پر فائز ہونے کی ضرورت نہیں جو لوگ مغرب کے بارے میں کچھ نہیں جانتے وہ وہ مغرب کی عظمت مسلمانوں کے دل پر نقش کرنے کے لیے لاطائل دلائل کا انبار لگا رہے ہیں جس کی کوئی تاریخی علمی تحقیقی فلسفیانہ بنیاد نہیں جہالت کی بناء پر مغرب کو سند دی جارہی ہے۔ڈاکٹر رفیع الدین جیسے راسخ العقیدہ مفکر وفلسفی اور ماہر اقبالیات کے غلط سلط افکار وخیالات کا پہلا علمی محاکمہ جس سے اسلامی جدیدیت کا ایک نیا چہرہ آشکار ہوتا ہے۔

[۲۱] ایک بزرگ کے پاس ایک زاہد تشریف لائے اور کہا میرے پاس بیس روپے ہیں اس پر کتنی زکوٰۃ ہوگی فرمایا ساڑھے بیس روپے زاہد نے حیرت ظاہر کی کہ بیس روپے پر ساڑھے بیس روپے زکوٰۃ کیوں؟ فرمایا یہ پچاس پیسے اس جرم کی سزا میں کہ تم نے زاہد ہوتے ہوئے بیس روپے کیوں جمع کیے تم رسول اللہ کے امتی ہو زہد واتقاء تورع کا تمہیں دعویٰ ہے دنیا کو تم تین طلاق دے چکے ہو پھر یہ بچت کیسی رسول اللہ کی کینت قاسم تھی آپ بانٹنے والے تھے آپ نے کبھی جمع کر کے نہیں رکھا تم بھی مال بانٹ دو کہ زکوٰۃ کی نوبت نہ آئے انہی بزرگ سے کسی شخص نے سوال کیا کہ حضرت والا پاکستان میں اسلامی نظام کیوں نافذ نہیں ہوتا بزرگ نے مجلس میں بیٹھے ہوئے ہر شخص سے کہا کہ صرف ایک سوال کا درست جواب دے دو تو تمہیں اسلامی نظام نافذ نہ ہونے کی وجہ سمجھ میں آجائے گی لیکن جواب سوچ سمجھ کر اور بالکل صحیح دینا بزرگ نے سوال کیا تم لوگوں نے کبھی اپنی زندگی میں ایک مہینے کے اندر اندر لاکھ دو لاکھ روپے خدا کی راہ میں بیک وقت خرچ کیے ہیں؟ بزرگ نے مجلس میں بیٹھے ہوئے ان لوگوں کو اس سوال کے جواب سے مستثنیٰ کر دیا جو کروڑ پتی تھے۔ان کا سوال متوسط اور مرفع الحال لوگوں سے تھا سب خاموش رہے بزرگ نے اگلا سوال کیا کہ تم نے اپنی اپنی شادی پر ایک مہینے میں کل کتنے اخراجات کیے دیانت داری سے بتانا سب نے جواب دیا کسی نے تین لاکھ، چار لاکھ دو لاکھ ڈھائی لاکھ چھ لاکھ بزرگ نے کہا ایک ہفتے سے لے کر ایک مہینے تک شادی کی تقاریب کے سلسلے میں تم لوگ اتنا خرچ کر دیتے ہو اس کے لئے کمیٹیاں ڈالتے ہو قرض لیتے ہو ادھار مانگتے ہو بھائی بہنوں دوستوں سے امید رکھتے ہو لیکن کبھی خدا کے لئے خدا کی راہ میں تم نے اتنی رقم یا اس کی نصف رقم ایک ہفتے میں خرچ کی اگر بالفرض تم اتنی ہی رقم خدا کے راستے میں بھی خرچ کی ہو تب بھی یہ شرک ہے کیونکہ تم نے اپنی خواہش اور خدا کی خوشنودی کے لئے یکساں رقم رکھی خدا کی محبت کو اپنی محبت پر ترجیح نہ دی بزرگ نے سمجھایا کہ اپنی زندگی میں یہ رویہ خدا کے لئے اور اپنے لئے دو مختلف طرز فکر کا اظہار ہے۔یہ رویہ ہماری ترجیحات کا تعین کرتا ہے جس چیز کو ہماری زندگی میں ترجیح حاصل ہے وہی چیز ہمیں مل رہی ہے ہمیں دنیا عزیز ہے دنیا سے محبت ہے دنیا ہماری ترجیح ہے وہ حاضر ہے خدا کی محبت دوسرے درجے کی چیز ہے اور اس کا ثبوت ہمارا رویہ ہے۔تم جیسے دین دار لوگوں کی ترجیح میں شادی پر بھاری اخراجات کرنا درست ہے خدا کی راہ میں اتنی رقم بیک وقت خرچ کرنا درست نہیں تو تم نے بتادیا کہ ہم اپنے نفس کے لئے دنیا کو ترجیح دیتے ہیں دین کو نہیں جس دن تم دین دار لوگ اپنی ترجیحات بدل دو گے اسی دن اسلامی نظام کا نفاذ شروع ہو جائے گا دین باہر سے نہیں اندر سے آتا ہے تم انقلاب کے لئے داخل اور باطن میں جھانکنے کے بجائے خارج میں اور باہر دیکھتے ہو انقلاب ہمیشہ اندر سے آتا ہے جو انقلاب باہر سے آتا ہے وہ باہر سے ہی چلا جاتا ہے۔

[۲۲] اس نقطۂ نظر کا جائزہ کہ بڑھتی ہوئی مہنگائی ہمارے قابو سے باہر ہے پھر مہنگائی کا کیا علاج ہو؟ کیا ہمارا نفس ہمارے قابو میں ہے مہنگائی کو روکنا ہمارے بس میں نہں ہے لیکن کیا اپنے نفس پر قابو رکھنا ہمارے لئے ہر وقت ممکن نہیں ہے؟ عیش وعشرت کی جو ثقافت ہم نے اختیار کر رکھی ہے کیا اس ثقافت کے ذریعے ہم مہنگائی کے جن کو قابو میں لا سکتے ہیں اگر نہیں تو کم از کم اپنے نفس کے جن کو بآسانی قابو میں لا سکتے ہیں لیکن کوئی شخص اپنے رویے طور طریقے اسلوب طرزِ زندگی بدلنے پر تیار نہیں اور مہنگائی کا رونا رو رہا ہے۔۱۹۸۰ء تک لوگوں کے پاس ٹیلی فون کی سہولت نہیں تھی لیکن اب ہر گھر میں ٹیلی فون ہے اور اب ٹیلی فون کے ساتھ وائرلیس فون اور دو تین موبائل فون ہیں آخر ان کی کیا ضرورت ہے؟ کیا ایک فون کافی نہیں ہے سادہ زندگی کے بجائے پر تکلف زندگی کیوں؟ ہفتے میں دو روزے رکھنے کی اسلامی

روایت کہاں ہے سر کے بال چھوٹے رکھنے کی روایت کیوں ختم ہوگئی ہے؟ گھروں میں کھانا، روٹی کیوں نہیں پکتی کھانا بازار سے کیوں آتا ہے یا کم از کم روٹی تو لازماً بازار سے آتی ہے ہوٹلنگ عام ہوگئی ہے مہمانوں کی تواضع گھریلو مشروبات گھریلو پکوان کے بجائے بازار کی اشیاء سے ہوتی ہے کوئی عورت گھر میں کپڑے نہیں سیتی تمام کپڑے بازار سے آتے ہیں۔کوئی شخص اپنے معیار زندگی کو کم کرنے کے لیے تیار نہیں تمام بیماریوں کا اصل سبب نیا طرز زندگی [New Life Style] ہے جس میں کام کم اور کھانا پینا بہت ہے جو لوگ چاول کھاتے ہیں وہ روٹی نہیں کھا سکتے۔ان کے نفس نے اس بات کو ممکن بنا دیا ہے کہ بیس روپے کا چاول سو روپے میں خرید لیں لیکن اپنے نفس پر قابو پا کر چاول روزانہ کھانے کے بجائے ہفتے میں دو دن کھائیں اصل غلامی نفس کی غلامی ہے یہی اصل ذلت، رسوائی تباہی و بربادی ہے پرستش نفس آدمی کو حاسد، حریص، لالچی، ہوس کا پجاری، خائن، چور، ڈاکو، اچکا بنا دیتی ہے چند سال پہلے ایک بزرگ نے ایک خاندان کی عورت کو نصیحت کی کہ بیٹی تم روزانہ ۳۰ روپے کلو کے چاول پکاتی ہو اچھی بات ہے لیکن کبھی کبھی دس بارہ روپے کلو والے چاول بھی پکا کر بچوں کو کھلایا کرو انہیں عیش وعشرت کا عادی نہ بناؤ انھیں سستے چاول کھانے کی بھی عادت ڈالو وقت ایک سا نہیں رہتا حالات بدلتے رہتے ہیں مشکل وقت کے لئے بچوں کو ابھی سے تیار کرو کبھی کبھی لال چاول بھی کھالیا کرو دھان والے چاول بھی کبھی کبھی کھلاؤ انھیں باجرہ، مکئی، جوار کی روٹی بھی مہینے میں ایک بار دو ہفتے میں ایک دن لازماً کھلاؤ کبھی کبھی صرف دال، صرف کڑھی صرف اچار روٹی یا چٹنی روٹی، یا دہی روٹی دو یہ نصیحتیں بزرگ ایک ایسی عورت کو کر رہے تھے جو خوشحال گھرانے کی عورت تھی اسے یہ باتیں سخت ناگوار گزریں اس نے کہا آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں ہم اتنے خراب سستے چاول نہیں کھا سکتے میرے بچے تو کبھی اس طرح کے کھانے نہیں کھائیں گے اور ہم کیوں کھائیں جب اللہ نے ہمیں حیثیت دی ہے۔ بزرگ نے کہا بیٹے یہ بزرگوں کا حکم ہے یہ سلف کی روایت ہے یہ امام غزالیؒ کی تلقین ہے یہ اسلامی رویہ وتہذیب ہے کہ ہر طرح کا کھانا کھاؤ معدے کو ہر غذا کا عادی بناؤ اس سے نسلیں سخت جان ہوتی ہیں صحت مند رہتی ہیں اور ہر حال میں خوش رہتی ہیں بزرگ کی یہ نصیحت اس عورت نے ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے اڑا دی آج وہ عورت اس بزرگ کے دروازے پر آنسوؤں کے ساتھ حاضر ہے [وہ اب بھی خوشحال گھرانے کی فرد ہے لیکن اب وہ ۳۵ روپے والا چاول نہیں خرید سکتی وہ سو روپے کلو ہوگیا ہے لیکن اب وہ بزرگ کی نصیحت کے مطابق دس بارہ کلو روپے والا چاول پچاس روپے کلو خرید کر لا رہی ہے اور بڑے شوق سے کھا رہی ہے] بزرگ نے اس سے کہا بیٹا میں نے کہا تھا کہ بچوں کو اور معدے کو ہر غذا کا عادی بنانا اب تکلیف کسے ہے مجھے یا تمھیں.......... بزرگ نے پھر نصیحت کی بیٹے اب بچوں کو لال چاول بھی کھلاؤ انہیں جوار، مکئی باجرے کی روٹی بھی کھلانا اور ہفتے میں ایک دن صرف چٹنی، اچار، مربہ، دہی، کڑھی، دال کی عادت ضرور ڈالنا عورت وہاں سے اٹھ گئی ہے اور اب مہنگائی کے اگلے بحران کا انتظار کر رہی ہے۔کیا یہ واقعات ہماری آنکھیں کھول دینے کے لیے کافی نہیں ہے؟

[۲۳] رسالت مآبؐ کی تین سنتیں ایسی ہیں جس میں کبھی خلل واقع نہ ہوا آپ نے اپنی زندگی ایک ایسے حجرے میں بسر کی جس میں صرف تین قبریں سما سکتی تھیں تمام زندگی آپ کا عمل یہی رہا آپ نے کبھی میز کرسی پر کھانا نہیں کھایا تمام زندگی آپ نے دسترخوان پر کھانا کھایا آپؐ نے کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا امت مسلمہ نے رسالت مآب کی دونوں متواتر سنتوں کو نظر انداز کر دیا ہے اور مسلسل معاشی اقتصادی بحرانوں سے گزر رہی ہے۔اور اس امت کے غریب خودکشی پر مجبور ہو گئے ہیں یہ وہ غرباء ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا تھا کہ میں ان کے ساتھ اٹھایا جاؤں گا۔اور غرباء امراء سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے کہ جو شخص تھوڑے رزق پر راضی ہو گیا اللہ اس کے تھوڑے عمل پر راضی ہو گیا [حدیث مبارکؐ] لیکن اس امت نے اپنے عیش وعشرت، اللّے تللّے کے لئے رسول اللہؐ کے پسندیدہ غرباء کو چھوڑ دیا ہے۔علامہ تقی عثمانی کے رسالے البلاغ میں بینک اسلامی کی طرف سے عالیشان مکان کا اشتہار شائع کر کے امت کو عیش وعشرت کی ثقافت اختیار کرنے کا راستہ قرض اور سود کی معیشت کی بنیاد پر دکھایا جا رہا ہے جس رسولؐ نے سادگی اور سادہ زندگی کو ایمان کا اثر قرار دیا ضرورت سے زیادہ مکان کو وبال ٹھہرایا ضرورت سے زیادہ گھر بنانے پر ناراضگی کا اظہار کر کے صحابی کو مجبور کر دیا کہ وہ اس مکان کو مسمار کر

دیں۔کتاب الرقاق کے ذریعے دنیا سے تمتع کی حدود متعین کر دیں آج اس رسول کے امتی شیخ الاسلام اپنے دینی رسالے کے ذریعے رسالت مآب کے احکامات کو سودی معیشت کے فروغ کی خاطر نظر انداز کر رہے ہیں۔ایک اہم جائزہ

[۲۴] اس نقطہ نظر کا جائزہ کہ اسلامی جمعیت طلباء اور جماعت اسلامی کو طلباء سیاست میں جمعیت کی بھر پور شرکت کے نتیجے میں جو بڑے بڑے طالب علم رہنما ملے تھے وہ کہاں چلے گئے شفیع نقی جامعی، حسین حقانی، محمود غزنوی، سید عمر ناظم، تنویر عباس تابش، افتخار فیروز، ساجد مرزا غزنوی، خلیل اللہ فاروقی، ڈاکٹر شکیل الرحمان فاروقی، اعجاز شفیع گیلانی، رشید کوثر، جاوید ہاشمی، احسن اقبال، ڈاکٹر منظور احمد، ریکٹر اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد، ظفر اسحاق انصاری، بیرسٹر مخدوم علی خان، ڈاکٹر وقار صدیقی، ڈاکٹر عشرت حسین، ڈاکٹر عبدالوہاب، سیف الدین ایڈوکیٹ، حفیظ الدین نوید دوست محمد فیضی، ضیاء الاسلام زبیری، الطاف شکور، جنید فاروقی ایڈوکیٹ، عباس وزیر، عبدالملک مجاہد، زاہد بخاری، ظفر جمال بلوچ، ڈاکٹر حامد ذکی، ڈاکٹر ضیاء معزالدین، ڈاکٹر تحسین جاوید صدیقی، ڈاکٹر ممتاز احمد، آصف مسعود جامعی، پیر گوہر علی شاہ گیلانی [اور بے شمار نام مزید تلاش کئے جا سکتے ہیں] جمعیت طلباء کے ان رہنماؤں میں شفیع نقی، حسین حقانی، محمود غزنوی، تنویر عباس تابش افتخار فیروز اور عمر ناظم تو خطابت میں ثانی نہیں رکھتے تھے اور یہ سب ایسے خطیب تھے کہ اگر آج میدان خطابت میں ہوتے تو لوگ زندہ شورش کاشمیری کو دیکھتے لیکن یہ تمام خطیب زندگی کے صحرا میں ایسے گمنام ہوئے کہ انھیں کوئی نہیں جانتا آخر جماعت اسلامی کے نظام میں وہ کیا خرابی ہے جو ایسے باصلاحیت لوگوں کو اپنے اندر جذب کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔اپنے چمن میں خوبصورت پودے تیار کر کے انھیں مسند قیادت پر بٹھا کر انھیں مسلم لیگ اور پیپلز پارٹی کی جھولی میں ڈال دینے کی روایت کا پس منظر کیا ہے؟ حسین حقانی ۱۹۷۷ کی تحریک نظام مصطفیٰ میں کراچی میں ذوالفقار علی بھٹو کے خلاف خطابت کا جادو جگاتے تھے ان کے خوبصورت جملے فقرے اگلے دن ہر کہہ و مہہ کی زبان پر ہوتے تھے وہ شخص آج پیپلز پارٹی کی خدمت کر رہا ہے جاوید ہاشمی نے قید و بند کی تاریخ میں ایک نئے ورق کا اضافہ کیا تھا طلباء قیادت میں اتنی طویل قید شاید کسی اور طالب علم نے نہیں کاٹی لیکن یہ تراشیدہ ہیرا نواز شریف کے حصے میں آ گیا۔شفیع نقی جامعی کی خطابت کا حال یہ تھا کہ کراچی کے ضمنی انتخابات میں جماعت اسلامی ستار ایدھی کی حمایت کر رہی تھی اور پیپلز پارٹی سندھ ہائیکورٹ کے سابق چیف جسٹس نور العارفین کی حمایت میں تھی ایک ہی دن دونوں جلسے کھارادر میں منعقد ہوئے ادھر کوثر نیازی خطابت کا جادو جگا رہے تھے ادھر شفیع نقی اس جادو کا توڑ کرنے کے لئے کھڑے کئے گئے اور چشم فلک نے دیکھا کہ پیپلز پارٹی کے جلسے سے لوگ جوق در جوق اٹھ کر ستار ایدھی کے جلسے میں چلے آ رہے ہیں کراچی یونیورسٹی میں لبرل، پروگریسو تنظیموں والے اپنے جلسے کا وقت اس طرح مقرر کرتے تھے کہ ان کے جلسے یا تو شفیع نقی کی تقریر سے پہلے ختم ہو جائیں یا ان کی تقریر کے بعد شروع ہوں کیونکہ شفیع نقی کی آواز گونجتے ہی ہجوم شفیع نقی کے جلسے پر یلغار کرتا تھا ایسے ایسے ہیرے موتی تراش کر جمعیت اور جماعت اسلامی نے ان سب کو استعماری طاقتوں کی جھولی میں گرا دیا اب یہ ہیرے استعماری اداروں کی خدمت میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔بیرسٹر مخدوم علی خان نے کراچی یونیورسٹی میں شفیع نقی کے بعد انتخابات میں حصہ لیا تھا اور جمعیت کے پینل سے جوائنٹ سکریٹری کے عہدے پر وہ واحد فرد تھے جو منتخب ہوئے تھے باقی پینل ہار گیا تھا لیکن انھوں نے چیف جسٹس افتخار چوہدری کے خلاف ریفرنس میں بحیثیت اٹارنی جنرل جو شرمناک کردار ادا کیا وہ تاریخ کا شرمناک باب ہے۔ڈاکٹر منظور احمد اسلامی جمعیت طلباء کے جنرل سیکریٹری رہے لیکن اب اسلام کو تہس نہس کرنے کے لئے جو کچھ کر رہے ہیں وہ بھی توجہ کا طالب ہے کیا اسلامی جمعیت طلباء اور جماعت اسلامی اپنے نظام فکر، تعلیم و تربیت، اصلاح و دعوت، ہدف انقلاب پر ایک مرتبہ ٹھہر کر طائرانہ نظر ڈالنا پسند کریں گے اور اس فساد کی بنیاد تلاش کرنا چاہیں گے جو جماعت اور جمعیت کے خون کو دوسروں کی شریانوں میں منتقل کرنے کا فریضہ مسلسل انجام دے رہا ہے ایک اہم تجزیہ۔

[۲۵] سندھ ہائی کورٹ نے چیف جسٹس افضل سومرو جنھوں نے کئی ہزار کلو سونے کے ٹیسوری کیس میں ذاتی دلچسپی لیتے ہوئے اس مقدمے کو دوسری عدالت میں سماعت کی تاریخ مقرر ہونے کے بعد محض ایک پرچی بھیج کر اس عدالت سے اپنی عدالت میں منتقل کیا اور

وکلاء کی عدم موجودگی میں خود ہی مقدمے کو سن کر فوری فیصلہ سنا دیا۔ بدعنوانی دھاندلی رشوت ستانی اختیارات کے ناجائز استعمال کے لئے نہایت بے ہودہ، عریاں طریقہ اختیار کرنے والے جج کے فیصلے کے خلاف اسی عدالت کے دو ججوں قاضی خالد علی اور عزیز اللہ میمن نے حکم امتناع جاری کر کے فیصلے پر عمل درآمد روک دیا۔ مدعی کے وکیل نے سپریم جوڈیشنل کونسل میں چیف جسٹس کی برطرفی کے لئے درخواست دائر کی دوسری جانب عدالت عالیہ سندھ کے تمام ججوں نے ان سے استدعا کی کہ وہ عدلیہ کی عزت کی خاطر چھٹیوں پر چلے جائیں یا مستعفی ہو جائیں۔ لیکن فیصلہ یہ ہوا کہ اس بدعنوان، بے ایمان، دیدہ دلیر جج کو شریعت عدالت بھیج دیا جائے ظاہر ہے اس ملک میں شرعی عدالت انہی کاموں کے لئے ہے اور شریعت کے فیصلے اب ایسے متنازعہ، بدکردار لوگ کریں گے جو شریعت کی نظر میں گواہ بننے کے بھی قابل نہیں ہیں شریعت عدالت جنرل ضیاء الحق کا وہ تحفہ ہے جس پر ہماری اسلامی جماعتیں اور اسلامی تحریکیں خوشی کے شادیانے بجا رہی تھیں یہ عدالت اہل دین کو بے وقوف بنانے اور ہر مکتب فکر کے علماء کو نوکری دلانے کے لئے قائم کی گئی اس عدالت کے ججوں کی تقرری و برطرفی کا وہ طریقہ کار رکھا گیا جس کے تحت پاکستان میں کسی سرکاری چپراسی کو بھی برطرف نہیں کیا جا سکتا تھا عدالت کے ایک چیف جسٹس سرکاری دورے پر سوڈان میں تھے۔ ضیاء الحق ان سے ناراض تھے لہٰذا اس سرکاری دورے کے اختتام کا انتظار کرنے کے بجائے اسی دورے کے دوران ان کی ملازمت کو او ایس ڈی میں تبدیل کر دیا گیا کہ آئین کے تحت صدر مملکت وفاقی شریعت عدالت کے چیف جسٹس کی شرائط ملازمت کسی بھی لمحے تبدیل کرنے کا مجاز ہے۔ صدر جب چاہے عدالت کے ججوں کی شرائط ملازمت تبدیل کر سکتا ہے اس عدالت کو آرمی کی اصطلاح میں ''کوارٹر گارڈ'' کی سزا کے لئے رکھا گیا جس کو سبق سکھانا ہو، سزا دینی ہو، ہائی کورٹ یا سپریم کورٹ سے نکالنا ہو، صدر صاحب اس کا تبادلہ اس عدالت میں کر دیتے ہیں اب یہ عدالت مجرموں کے تحفظ کے لئے استعمال ہو رہی ہے جس ملک میں شریعت عدالت ججوں کو صرف سزا اور جزاء کے لئے مختص ہو اور شریعت کورٹ سپریم کورٹ کے تحت ہو وہاں اسلام کی بالادستی کی باتیں محض افسانہ ہیں۔ نہ جنرل ضیاء الحق اسلام سے مخلص تھے نہ ہمارے مشرف صاحب دونوں میں کوئی جوہری فرق نہیں ہے لیکن المیہ یہ ہے کہ ہمارے اسلام پسند مفکرین جنرل ضیاء الحق کے قصیدے آج بھی پڑھتے ہیں سب سے حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ہمارے جدیدیت پسند دانشور حضرت جاوید احمد غامدی صاحب نے ضیاء الحق کے شریعت بل کی اپنے رسالے اشراق میں جسطرح پذیرائی کی تھی اس کی بھرپور حمایت فرمائی تھی اور اس حمایت کے لئے جو دلائل دیے تھے ان کا پس منظر صرف یہ تھا کہ جنرل ضیاء الحق ان کے شیخ اور امام امین احسن اصلاحی کے گھر تشریف لائے تدبر قرآن سے عقیدت کا اظہار کیا بس یہ اظہار عقیدت جاوید غامدی صاحب کی ارتقاء پذیر طبیعت کے لئے تازیانہ ثابت ہوا آج کل حضرت فرما رہے ہیں کہ اسلام میں آمریت کی کوئی گنجائش نہیں اور کسی آمر کے نافذ کردہ شرعی قوانین کی کوئی شرعی حیثیت نہیں موسم بدل جاتا ہے تو پرندے اپنا آشیانہ بدل لیتے ہیں رت بدلتی ہے تو پھولوں، پتوں، شاخوں، ٹہنیوں، پتیوں، کلیوں، شگوفوں کے رنگ بھی بدل جاتے ہیں۔ گرگٹ کو کئی رنگ بدلتے ہم نے بارہا دیکھا ہے لیکن جاوید غامدی صاحب نے ۱۹۷۰ء سے ۲۰۰۸ء تک جس طرح رنگ بدلے ہیں اس کے سامنے گرگٹ بہت معصوم نظر آتا ہے۔ کل تک پرویز مشرف کے قصیدے پڑھے جا رہے تھے ان سے لین دین کے ذریعے المورد کے رکن اسلامی جمعیت طلباء صوبہ سرحد کے سابق ناظم اور پاسبان کے صدر درانی کو وزیر اطلاعات ونشریات بنوایا گیا اب خورشید ندیم پرویز مشرف کی قدح لکھ رہے ہیں۔ شرعی عدالت کے جج کی تقرری کا موجودہ معیار جو جسٹس افضل سومرو کے لئے رکھا گیا۔ شرعی عدالت کی حیثیت ظاہر کرنے کے لئے کافی ہے اسلامی نظام کبھی ایسی عدالتوں سے نافذ نہیں ہو سکتا اس کی پہلی شرط قلب و ذہن اور افکار کی پاکیزگی ہے اس کے بغیر سب تماشہ ہے۔ شریعت کورٹ کی تاریخ اور اس عدالت کے ساتھ جنرل ضیاء الحق کے سلوک کے واقعات اور دینی جماعتوں کی سادہ لوحی کا جائزہ۔

[۲٦] اس بات کا جائزہ کہ دنیا میں طلاق کے سب سے سخت قوانین مغرب میں ہیں طلاق دنیا کا نہایت مشکل کام ہے طلاق دیتے ہی مرد کی نصف جائیداد عورت کو مل جاتی ہے اور تنخواہ سے بچوں کا خرچہ بھی کٹنے لگتا ہے اس کے باوجود دنیا میں سب سے زیادہ طلاقیں اسی مغربی

معاشرے میں ہوتی ہیں جن کی شرح ۵۵ فی صد سے زیادہ ہے لیکن مغرب کی نظر میں دنیا کا سب سے جاہل اور بے عقل معاشرے تمام اسلامی معاشرے ہیں جہاں ہر مرد کو ایک ساتھ تین طلاقیں دینے کا خطرناک اختیار موجود ہے۔ جس پر مغرب کو شدید اعتراض ہے لیکن دنیا میں سب سے کم طلاقیں اسلامی معاشروں میں ہوتی ہیں؟ آخر کیوں ہمارے جدیدیت پسند دانشور خصوصاً غامدی ٹائپ دانشور اس فرق پر غور کیے بغیر تین طلاق کے طریقے کو غیر اسلامی ثابت کرنا شروع کرتے ہیں حالانکہ تین طلاق پر اعتراض کرنے والے معاشرے طلاق کے سخت قوانین رکھنے کے باوجود سب سے زیادہ طلاقوں کا شکار کیوں ہیں۔ دنیا میں سب سے زیادہ غربت اسلامی معاشروں اور غیر مغربی علاقوں یعنی ایشیاء افریقہ میں ہے لیکن دنیا میں خودکشی کی سب سے زیادہ شرح دنیا کے خوشحال ترین امیر مغربی ملکوں، امریکہ، سوڈان، جاپان سوئزرلینڈ جرمنی میں ہے آخر کیا وجہ ہے کہ یہ تمام پیٹ بھرے ممالک خودکشی میں دنیا کے غریب ترین ملکوں اور دنیا کے جاہل ترین مسلمانوں سے بہت آگے ہیں آخر کیوں؟ کیا زندگی صرف کھانے پینے عیش کرنے جنسی عیاشی کرنے کا نام ہے جب یہ تمام سہولتیں انھیں میسر ہیں تو وہ کیوں مر رہے ہیں وجہ یہ ہے کہ زندگی معنویت سے خالی [meaningless life] ہے لہٰذا خودکشی کی شرح انہی معاشروں میں زیادہ ہے جہاں زندگی بے معنی ہے اور خودکشی کے ذریعے آپ اسے معنی عطا کرتے ہیں مغرب میں بچوں کی شرح پیدائش منفی ہے جبکہ وہاں بچے پیدا کرنے کے لئے بھاری نقد رقومات دی جارہی ہیں محاصل [Tax] میں رعایت دی جارہی ہے جرمنی اور اٹلی میں آبادی بڑھانے کے لئے کئی ہزار ڈالر نقد دیے جارہے ہیں لیکن دنیا میں سب سے کم بچے اور وہ بھی حرامی بچے انہی ملکوں میں پیدا ہو رہے ہیں اور دنیا میں سب سے زیادہ بچے اور وہ بھی حلالی بچے اسلامی ملکوں اور غریب معاشروں میں پیدا ہو رہے ہیں جہاں خاندانی منصوبہ بندی کے لئے اربوں ڈالر خرچ کئے جارہے ہیں لیکن بچوں پر بچے پیدا ہوتے چلے جارہے ہیں آخر کیوں؟ جہاں بچوں کا استقبال کرنے کا حکم ہے وہاں کوئی بچوں کو پیدا کرنے پر تیار نہیں جہاں بچوں کی پیدائش کو ریاستی سطح پر روکنے کی کوشش کی جارہی ہے وہاں بچے دھڑا دھڑ پیدا ہو رہے ہیں مغرب اور امریکہ دنیا کے قانونی معاشرے ہیں جہاں قوانین کا جال [Web of laws] بچھا ہوا ہے لاکھوں قوانین شہریوں کو بے قابو ہونے سے بچانے کے لئے بنائے گئے ہیں اور ہزاروں نئے قوانین بن رہے ہیں مغرب نے جب سے نئی ما بعد الطبیعیات کے تحت فرد کو فاعل خود مختار [Self Autonomus] قرار دیا اور اسے خارجی مقتدرہ یعنی وحی الٰہی [External Authority] کے دائرے سے باہر نکال کر اسے خود خدا بنا دیا تب سے اس فاعل خود مختار کے شر، گناہوں اور خباثت سے بچاؤ کے لئے مغرب لاکھوں قوانین بنا چکا ہے لیکن اس کے باوجود دنیا میں سب سے زیادہ مجرم اسی معاشرے میں ہیں جو سب سے زیادہ قانونی ہے جہاں قانون کی بالادستی بے پناہ ہے سب سے زیادہ جیلیں امریکی اور مغربی آباد کرتے ہیں لیکن دنیا کے وہ ممالک جو مسلمان یا روایتی ممالک کہلاتے ہیں وہاں سب سے کم قوانین ہیں سب سے کم مجرم ہیں سب سے کم لوگ جیلوں میں بند ہیں کیونکہ ان روایتی اور اسلامی معاشروں میں تزکیۂ نفس کا اسلامی اخلاقی قانون خاندانی مسلمانوں کی گئی گزری حالت میں بھی پوری شدت سے نافذ العمل ہے جن معاشروں میں ایک چھت کے نیچے تین نسلیں رہتی ہوں وہاں گناہگار زندگی بسر کرنے کے تمام تر مواقع کے باوجود مشترکہ خاندانی نظام کے باعث گناہ کرنا ممکن ہی نہیں رہتا اس لئے مغرب اور اس کی آلہ کار تمام NGOs کی کوشش ہے کہ عورتوں میں آزادی بیداری کے نام پر انھیں مرد کے خلاف کھڑا کیا جائے اور آزادی کے نام پر خاندانی نظام کو توڑ کر گناہگار معاشرہ قائم کرنے کی کوشش کی جائے مشترکہ خاندانی نظام گناہوں کی راہ میں روایتی معاشروں کی سب سے بڑی رکاوٹ ہے اور اس کا تحفظ ہر حالت میں کیا جانا چاہیے کیا وجہ ہے کہ دنیا کے امیر ترین مغربی ممالک اور وہاں کے لوگ جن کی شرح آمدنی دنیا میں سب سے زیادہ ہے دنیا میں سب سے کم خیرات میں حصہ لیتے ہیں سب سے کم دولت نیک کاموں میں خرچ کرتے ہیں لیکن دنیا کے سب سے غریب معاشرے جو اسلامی اور روایتی ممالک ہیں وہاں لوگ خیرات میں سب سے زیادہ حصہ لیتے ہیں اور سب سے زیادہ کار خیر میں شرکت غربت کے باوجود کرتے ہیں کراچی کے ایک سروے کے مطابق فقیروں کو سب سے زیادہ خیرات غریب علاقوں میں ملتی ہے اور ڈیفنس سوسائٹی میں سب سے کم خیرات ملتی ہے مدارس

ومساجد کی امداد بھی متوسط اور غرباء سب سے زیادہ کرتے ہیں امراء کی امداد کی شرح کم ہے آخر کیوں؟ کیا وجہ ہے کہ اسلامی اور روایتی معاشروں میں بھی وہ طبقات جو مغربی تہذیب وفلسفے سے قریب ہوجاتے ہیں مغرب کے ہی انداز واطوار اختیار کرلیتے ہیں؟ کیا وجہ ہے کہ مغرب جسے فخر ہے کہ وہ سب سے زیادہ روادار Tolerant ہیں وہی سب سے زیادہ Intolerant ہے اسی لئے مغرب میں ہر فرد کو دوسرے فرد سے بچانے کے لئے بے شمار قوانین بنائے جاتے ہیں جن کی تعداد ہزاروں سے تجاوز کرچکی ہے ایسے ایسے قوانین بنائے گئے ہیں کہ ان کا تصور نہیں کیا جاسکتا کتے کے بھونکنے کا قانون کہ اگر کتا اس قانون کی طے کردہ شرح سے زیادہ بھونکے تو وہ کتا نہیں رہتا اور ضلعی حکومت اسے لے جاتی ہے علاج کرتی ہے افاقہ ہوجائے تو کتا واپس کردیتی ہے ورنہ ہلاک کردیتی ہے گھر کے اندر جھگڑوں کا قانون Domestic Violence act اس کے تحت اگر کوئی مرد اپنی عورت سے لڑائی جھگڑا کرے تو وہ پولیس کو طلب کرکے شوہر کو گھر سے بے دخل کرسکتی ہے اور شوہر اپنے بنائے ہوئے گھر کے باہر اجنبی کے طور پر فٹ پاتھ پر قیام کرسکتا ہے گھر میں داخل نہیں ہوسکتا خراٹوں کا قانون اگر بیوی شکایت کردے کہ شوہر کے خراٹوں سے اس کی نیند کا ہرج ہوتا ہے تو عدالت عورت کو طلاق دلوادیتی ہے ہر سال امریکہ میں لاکھوں طلاقیں خراٹے کی آڑ میں ہوتی ہیں آوارگی اخلاق باختگی اور عیاشی اور عریانی وفحاشی کے تحفظ کا قانون جسے بنیادی حقوق کا منشور Human Rights Declaration کہتے ہیں اس منشور کے تحت میاں بیوی باپ بیٹا بیٹی سب برابر ہیں مساوی ہیں کسی کو کسی پر فوقیت نہیں کوئی کسی کی سرگرمیوں میں رکاوٹ نہیں ڈال سکتا کوئی کسی کی آزادی میں مداخلت نہیں کرسکتا کوئی کسی کو ڈانٹ ڈپٹ نہیں کرسکتا مار نہیں سکتا۔ مذہبی پابندی یا کسی قسم کی پابندی عائد نہیں کرسکتا کسی سے ناجائز تعلقات میں رکاوٹ نہیں ڈال سکتا اگر آپ کی لڑکی کسی لڑکے کی گرل فرینڈ بنے یا بیٹا کسی لڑکی کا بوائے فرینڈ بنے تو آپ کو اس پر اعتراض کرنے لب کھولنے کی اجازت نہیں جیسے ہی آپ نے کوئی اعتراض کیا بنیادی حقوق کے منشور کے تحت دوسرے کی آزادی سلب کرنے کے جرم میں آپ کی آزادی سلب کرلی جائے گی آپ کی بیوی نوکری کرے گی یا نہیں یہ اس کا مسئلہ ہے اگر آپ نے اسے نوکری کرنے سے روکا تو آپ جیل میں ہوں گے آپ کی بیٹی کسی کے ساتھ رات بسر کرے گی یہ اس کی آزادی [Freedom] ہے کیونکہ وہ آپ کے مساوی ہے [Equal] ہے اور آپ کو روادار [Tolerant] ہونا چاہیے اور کسی کے ساتھ منسلک ہونا اس کا بنیادی حق ہے [Freedom of association] ہے اور وہ آزادانہ نقل وحرکت کرسکتی [Freedom of Movement] لہٰذا آپ کا لڑکا کسی لڑکے کے ساتھ آپ کی لڑکی کسی لڑکی کے ساتھ جنسی تعلقات رکھے تو آپ اعتراض نہیں کرسکتے۔ یہ کام آپ نے کیا تو آپ جیل کے اندر ہوں گے یہ دونوں باہر مزے کررہے ہوں گے آپ کی بیوی کسی اجنبی مرد کے ساتھ ناجائز تعلقات رکھے تو یہ قابل سزا جرم نہیں ہے صرف آپ کو یہ حق ہے کہ آپ اس کی بنیاد پر عورت سے طلاق لے لیں اور جائیداد میں اسے حصہ نہ دیں لیکن اگر آپ کی بیوی غصے میں مجامعت سے انکار کردے تو آپ اسے مجبور نہیں کرسکتے اگر آپ نے اسے مجبور کرکے اس کا نفس حاصل کیا تو یہ [Maternal rape] ازدواجی زنا کاری ہے جس کی سزا سات سال قید اور طلاق اور آدھی جائیداد کا خاتمہ ہے انہی قوانین کے باعث اب مغرب میں مرد شادیاں نہیں کرتے دوستیاں کرتے ہیں دوست کے ساتھ رہتے رہتے بچے پیدا کرتے ہیں اگر معاملہ صحیح چلتا رہے تو پچاس پچیس سال کے بعد شادی کرلیتے ہیں کہ اب طلاق کا امکان بالکل ختم ہوگیا ہے۔ کیوں کہ مغرب میں خیر وشر گناہ وثواب کوئی شے نہیں اس لیے سب لوگ خواہ زانی ہو یا متقی پرہیزگار برابر [Equal] ہوتے ہیں ان میں کوئی تفریق نہیں کی جاسکتی [Protection against discrimination] چونکہ سب آزاد [Free] ہیں یعنی گناہ اور ثواب کرنے میں آزاد ہیں لہٰذا ان کی آزادی [Freedom] میں مداخلت کرنے کی آزادی کسی کو نہیں ہے صحیح کیا ہے غلط کیا ہے اس کا فیصلہ یہ اپنی عقلیت [Rationality] سے خود کرسکتے ہیں کیونکہ یہ سب فاعل خود مختار [Autonomus] ہیں اور عاقل [Rational] ہیں کیوں کہ ان کا ماخذ علم وحی الٰہی [External authority] نہیں انکی عقلیت [Rationality] ہے جو ان کو نفس خود [Self] سے ملتی ہے لہٰذا یہ خیر وشر خود تخلیق کرتے ہیں یہ مقلد نہیں خود خالق ہیں۔

ساحل مئی ۲۰۰۸ء

[۲۷] اس بات کا جائزہ کہ دنیا کے اسلامی معاشروں اور روایتی تہذیبوں اور ملکوں میں جہاں جنسی آزادی پر بے تحاشہ پابندیاں ہیں اس کے باوجود ان معاشروں میں جنسی جرائم کی شرح سب سے کم ہے لیکن مغربی ملکوں اور امریکی معاشرے جہاں مکمل جنسی آزادی ہے جہاں اسکولوں میں مباشرت کی سہولتیں تک موجود ہیں بیت الخلاء میں مردوں کے لئے مانع حمل غلاف [Condomes] مفت مہیا کئے جاتے ہیں اس مکمل جنسی آزادی کے باوجود سب سے زیادہ بلکہ بدترین جنسی جرائم امریکہ مغرب اور یورپ میں ہوتے ہیں آخر کیوں؟ ایک اہم سوال ہے اس سوال کی تہہ تک پہنچنے کے نتیجے میں اسلام اور مغرب اور روایتی معاشروں اور مغرب میں بنیادی فرق کا حقیقی اندازہ ہوسکتا ہے اور جدیدیت پسند مسلم مفکرین کے ذہن کی آلائشیں دور ہوسکتی ہیں اس کیوں کی تفصیلات آئندہ شمارے میں۔

[۲۸] جدیدیت پسند مفکرین وحیدالدین خان وغامدی وغیرہ کے اس اعتراض کا جائزہ کہ اسلام میں مرتد کی سزائے قتل غیر اسلامی ہے۔ یہ جاہل اس اعتراض سے مغرب کو خوش کرنا چاہتے ہیں کہ ہم نے ارتداد کی سزا ختم کردی ان جہلاء پر مغرب ہنستا ہے کہ یہ سزا آخر نافذ کہاں ہے جو تم نے ختم کردی۔ دنیا کا کون سا ملک ہے جو مغرب کی رسائی سے باہر ہے اور کون سی حکومت ہے جو اپنے احکامات یا شرعی احکامات نافذ کرنے میں آزاد ہے جدیدیت پسند مفکر سرسیّد تا غامدی اس معذرت خواہانہ جواب کے ذریعے وہ مغرب کو سمجھانا چاہتے ہیں کہ ماضی میں مسلمانوں نے زور زبردستی سے لاکھوں کروڑوں لوگوں کو مسلمان بنالیا تھا اب انہیں اطلاع دے دی جائے کہ وہ دوبارہ غیر مسلم بن جائیں اسلام کو قرآن کو سنت کو ان کے غیر مسلم بننے پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ یہ جہلا مغرب سے یہ پوچھنے کی جرات نہیں رکھتے کہ ۱۹۲۴ء میں خلافت اسلامیہ کا خاتمہ ہوگیا اور ۱۸۵۷ء سے پہلے مغلیہ سلطنت ختم ہوچکی گویا دنیا پر مسلمانوں کے اقتدار کو ختم ہوئے ایک صدی گزر چکی ہے اس ایک صدی میں کتنے لاکھ مسلمان کافر ہوئے اور انہوں نے ارتداد اختیار کیا یا کتنے یہودی عیسائی غیر مسلم جو خلافت اسلامیہ کے زمانے میں جبراً یا بخوشی مسلمان ہوئے تھے دوبارہ کافر ہوگئے؟ گجرات میں پانچ سال سے مسلمانوں پر شب ستم ٹوٹ رہی ہے بچوں کو پینے کے لئے دودھ میسر نہیں گھروں میں روٹی نہیں تمام کاروبار تباہ ہوگیا ہے عورتیں بچے پناہ لینے کے لئے اکثر قبرستان چلے جاتے ہیں لیکن اس کے باوجود آج تک گجرات کا ایک مسلمان ہندو نہیں ہوا وہ جان دے رہا ہے تکالیف سہہ رہا ہے اپنے دین کی قیمت ادا کر رہا ہے لیکن کافر ہونے کے لئے تیار نہیں آخر کیوں؟ جدیدیت پسندوں کے جاہلانہ اعتراضات کا جائزہ۔

[۲۹] ۱۹۶۰ء میں کراچی یونیورسٹی کا رہائشی علاقہ تعمیر کیا گیا تو اس کے عالیشان بنگلوں کے اردگرد چار دیواری کھینچنے کے بجائے درختوں، بیلوں، جھاڑیوں اور پودوں کی دیواریں کھڑی کی گئیں تاکہ قدرتی منظر سامنے رہے کسی گھر میں لوہے کی جالیاں نہیں لگائی گئی تمام گھروں میں شیشے کے دروازے اور شیشے کی کھڑکیاں بغیر جالی کے لگائی گئیں اس وقت یونیورسٹی شہر سے کئی میل باہر جنگل، بیابان، ویرانے اور سنسان علاقے میں آباد تھی لیکن لوگ وہاں جالیوں کے بغیر رہتے تھے اور چوری چکاری کے واقعات شاذونادر ہوتے تھے اب کراچی جرائم کی آماجگاہ ہے اور ہر گھر میں لوہے کی جالیاں، آہنی دروازے لگائے جارہے ہیں اور اونچی فصیلیں اٹھائی جارہی ہیں آخر پچاس سال میں کیا تبدیلی واقع ہوگئی وہ کیا تغیر پیدا ہوا کہ جو شہر پچاس سال پہلے اپنے ویرانوں میں چوری ڈکیتی کے وسوسے خوف خدشے اندیشے سے یکسر مامون ومحفوظ تھا اچانک اس شہر میں ڈکیتی اور چوری روز کا معمول کیسے بن گئیں اس سوال پر غور کیے بغیر یہ کہنا کہ فلاں سیاسی گروہ یہ کام کررہا ہے محض الزام تراشی ہے جماعت اسلامی اس کا ذمہ دار ایم کیو ایم کو قرار دیتی ہے جب کہ یہ صریحاً الزام تراشی ہے الزام لگانے والوں کو یہ یہ معلوم نہیں کہ دنیا میں تمام شہر جرائم کے اڈے ہوتے ہیں اس کا ایم کیو ایم سے کوئی تعلق نہیں شہر سرمایہ دارانہ نظام کے سب سے بڑے مراکز ہوتے ہیں جہاں سرمایہ دارانہ عقلیت [Capital rationality] سرمایہ دارانہ شخصیت [Capitalist personality] اور سرمایہ دارانہ اخلاقیات [Capitalist morality] غالب اور مسلط ہوتی ہیں جس کے نتیجے میں وہ درندہ پیدا ہوتا ہے جو حاسد، حریص، لالچی اور ہوا وہوس کا شکار ہوتا ہے لہٰذا جب تک شہروں سے اور ملکوں سے سرمایہ دارانہ نظام کا خاتمہ نہ کیا جائے جرائم کا خاتمہ ناممکن ہے۔ جس قدر شہر تیزی سے سرمایہ دارانہ ہوتا جائے گا اس سے زیادہ تیزی سے جرائم کی رفتار بڑھتی جائے گی لہٰذا جرائم اور جمہوریت

جرائم اور سرمایہ داری اور جرائم کا فلسفہ آزادی [Freedom] فلسفہ مارکیٹ [Market] سے براہ راست تعلق سمجھے بغیر مخالف سیاسی جماعتوں پر اعتراضات کرنا سرمایہ دارانہ نظام اور مغرب سے مکمل ناواقفیت ہے دنیا کے بڑے بڑے شہروں کے جرائم کا تقابل ان ملکوں کے دیہاتوں سے۔

[۳۰] عیش وعشرت اسراف تصنع بناوٹ کی ثقافت نے پاکستانی معاشرے سے دعوت کی روایت ختم کردی ہے آج سے بیس سال پہلے خاندانوں میں دوست احباب میں دعوتوں کا شدت سے رواج تھا پڑوسی، احباب، اہل محلّہ، اہل خاندان ایک دوسرے کے گھر کثرت سے آتے جاتے اور کثرت سے دعوتیں دیتے تھے لیکن اب دعوت کی روایت بالکل مرچکی ہے خاندانوں میں لوگ سال ہا سال میں کبھی کبھار گھروں پر دعوت دیتے ہیں سماجی تقاریب وغیرہ کی دعوت ایک الگ معاملہ ہے۔ لیکن خاندان کی دعوتیں اور ذاتی دعوتیں شجر ممنوعہ ہوگئی ہے پہلے کسی گھر میں اچھی دال، سبزی، ساگ، بھات، کڑی، چٹنی، کھاجا، مٹھائی، پاپڑ، پوری، حلیم، کھچڑا، گلتی، بیسنی روٹی، پکوڑے، برسات کے پکوان، گلگلے، اصلی گھی یا لسی بنتی تو لوگ ایک دوسرے کو مدعو کرلیتے تھے اب دعوت کا تصور مرغی، تکے، بریانی، گوشت اور انواع واقسام کے کھانوں سے وابستہ ہوگیا ہے۔ لہٰذا چھوٹی سے چھوٹی دعوت بھی اب ہزار بارہ سو روپے کی پڑتی ہے لوگ یہ سوچتے ہیں کہ کسی کو بہت دور سے بلائیں وہ اپنا پیٹرول لگا کر آئے اور اسے کڑی، سبزی، ساگ بھات، بیسن کی روٹی کھلا دی جائے تو بہت بے عزتی ہوگی۔ لہٰذا اس بے عزتی سے بچنے کے لیے لوگوں نے دعوتیں ختم کردیں جبکہ دعوت کا بنیادی مقصد میل جول ملاقات آپس کے تعلقات میں گہرائی گرم جوشی ہے لیکن اب دعوت صرف کھانے پینے کی اشیاء کی کثرت سے منسوب ہے یہ نہ ہو تو دعوت کا فائدہ کیا۔ ہمیں اتنی دور سے کیا دال کھانے کے لیے بلایا تھا اس حاسد، حریص رویے نے دعوتوں کی اسلامی روایت کا خاتمہ کردیا ہے کیا اس روایت کو دوبارہ زندہ کیا جاسکتا ہے؟ کیا دینی تحریکیں اس روایت کو زندہ کرنے کے لئے کوئی معاشرتی کردار ادا کرسکتی ہیں؟ کیا یہ ممکن ہے کہ شادی، ولیمے، عقیقے، سالگرہ کی تقاریب میں نہایت سادہ کھانا کھلایا جائے سادگی کا عنصر دینی ولادینی عناصر کی دعوتوں سے رخصت ہوگیا ہے لہٰذا دعوت کی اسلامی روایت اب تصنع، ملمع کاری، بناوٹ، نمائش، دکھاوے کی نذر ہوچکی ہے مختلف ادوار میں دعوت کی روایت کا جائزہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ کرام کی دعوتیں اور ان ضیافتوں میں پیش کئے جانے والے ماحضر کی تفصیلات اس ولیمے کی تفصیل جو رسول اللہ ﷺ کا سب سے شاندار ولیمہ تھا اور اس میں صرف ایک بکری ذبح کی گئی تھی رسول اللہ کے اس ولیمے کی تفصیلات جس میں مہمانوں کو کھجور پنیر پیش کیا گیا تھا کیا امت مسلمہ کا کوئی گھر آج ایسی دعوتوں کا احیاء کرسکتا ہے کیا ان دعوتوں کا احیاء اب بھی وقت کی ضرورت نہیں ہے جب چاول سو روپے کلو اور آٹا پچاس روپے کلو فروخت ہورہا ہے کیا رسول اللہ اور آپ کی جماعت صحابہ کی سادگی کو اختیار کرنے کا وقت اب بھی نہیں آیا کیا اس عہد سادگی کو واپس لانا دین عقل نفس مال اور نسل کی حفاظت کے لئے اب بھی ضروری نہیں ہے اگر اب نہیں تو پھر کب؟

[۳۱] اس بات کا جائزہ کہ ہمارے معاشرے کے دینی عناصر اور دینی گھرانوں کے معاشرتی رویوں میں در آنے والے غیر اسلامی اور مغربی رویوں کی اصلاح کے لئے کوئی کوشش کیوں نہیں کی جارہی شادی ولیمے کی دعوتیں ایک عذاب بن گئی ہیں ان دعوتوں میں دینی روایات کا جس طرح مذاق اڑایا جاتا ہے اس پر کسی کی توجہ نہیں ہے نکاح اور ولیمہ جیسا دینی عمل دینی حلقوں میں دین سے انحراف کا ایک نمونہ ہے جس میں قدم قدم پر رسالت مآب کی سنت اور صحابہ کرام کے اسوۂ حسنہ کو نظر انداز کردیا جاتا ہے مثلاً لڑکی کی شادی کا جوڑا ہزاروں لاکھوں روپے کا تیار ہوتا ہے۔ تیس چالیس ہزار کا جوڑا تو اب عام بات ہے صرف چند گھنٹوں کے لئے اس جوڑے پر بھاری اخراجات کی کوئی شرعی توجیہہ نہیں کی جاسکتی۔ یہ سراسر اسراف ہے اور قرآن کی نص ہے کہ بے شک اسراف کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں یہ بھاری جوڑا لڑکی زندگی میں ایک بار ہی پہنتی ہے پھر اسے سنبھال کر رکھ دیتی ہے اس کی سگی بہن کی اگلے دن شادی ہو تب بھی وہ اپنی بہن کا اترا ہوا جوڑا پہننا پسند نہیں کرتی اپنے لئے نیا جوڑا سلواتی ہے دلیل یہ ہے کہ شادی زندگی میں ایک بار ہوتی ہے یہ دینی حلقوں کا حال ہے حضرت عائشہؓ کا نکاح ہوا تو نکاح کے بعد آپ کا جوڑا محفوظ رکھا گیا مدینۃ النبی میں جس گھر میں شادی ہوتی حضرت عائشہؓ کا جوڑا

مستعار لیا جاتا اور لڑکیاں اسی اترے ہوئے جوڑے میں اپنے گھر سے چلی جاتیں یہ وہ دور تھا جسے اہل عالم ''خیرالقرون'' کے نام سے جانتے ہیں اگر خیرالقرون کی لڑکیاں اترا ہوا جوڑا پہن سکتی تھیں تو آج اسلامی تحریکوں، اسلامی جماعتوں اور دینی مزاج رکھنے والوں کی لڑکیاں لاکھوں روپے جوڑوں پر کیوں خرچ کر رہی ہیں کیا یہ اسراف نہیں ہے اور کیا اس کی جواب دہی نہیں ہوگی جس ملک میں روزانہ دس بیس عورتیں خودکشی کر رہی ہیں وہاں دینی تحریکوں اور دینی مزاج رکھنے والوں کی ذمہ داری اور بھی بڑھ جاتی ہے حکومت کو تمام مسائل کا ذمہ دار ٹھہرانے والوں کو شرم نہیں آتی کہ تمام گھروں میں اسراف ہو رہا ہے عیش و عشرت کی ثقافت عام ہے اور یہی ثقافت لوگوں کی خودکشی کا باعث ہے پاکستان میں شادی بیاہ کی رسموں میں اسراف کا پہلا جائزہ اعداد و شمار کی روشنی میں۔ [۲۳] اس سوال کا جائزہ کہ ریاست اور حکومت کی نوعیت، ماہیت، حقیقت، حیثیت کیا ہے؟ کیا یہ مترادف اصطلاحات ہیں یا متضاد۔ حکومت ریاست کا ایک جزو ہے یا ریاست حکومت کا جزو۔ اصل طاقت ریاست کے پاس ہے یا حکومت کے پاس۔ کیا حکومت وہ نظام جبر نہیں ہے جسے لوگ برداشت کرنے پر بخوشی آمادہ ہوتے ہیں اگر ریاست حکومت کو ماننے سے انکار کر دے تو کیا حکومت چل سکتی ہے ریاست اور حکومت میں عموماً تعاون کیوں ہوتا ہے اور ریاست عمومی طور پر حکومت سے الگ کیوں نہیں ہوتی اگر ریاست حکومت سے الگ ہو جائے تو انقلاب آ جاتا ہے حکومت معطل ہو جاتی ہے اور اگر حکومت ریاست کو نظر انداز کر دے تو ایک دن نہیں چل سکتی۔ امام ابوحنیفہؒ، امام الماوردیؒ، امام ابن تیمیہؒ، امام ابن خلدونؒ، سب نے حکومت اور ریاست پر کیا بحث کی ہے ایک اہم جائزہ۔

[۳۳] حکومت اس نظام جبر و اقتدار کا نام ہے جسے لوگ بخوشی یا بہ امر مجبوری گوارا کرتے ہیں اسے ہم ''گوارا جبر'' کہہ سکتے ہیں جو حکومت کے فرائض کی انجام دہی کو ممکن بناتا ہے اور اس میں کوئی رکاوٹ رخنہ نہیں ڈالتا۔ باپ کا اقتدار بھی بیٹے کی رضامندی سے قائم ہوتا ہے ریاست الگ شے ہے حکومت الگ شے ریاست نچلی سطح سے لے کر اوپر تک پھیلی ہوئی ہے۔ حکومت ریاست کا بالائی جزو ہے ریاست حکومت نہیں ہے۔ حکومت کی مثال اس میز کی سی ہے جو کمرۂ ریاست میں پڑی ہوئی ہے اس سے زیادہ اس کی کوئی حیثیت نہیں اس لئے انبیاء جب بھی تشریف لاتے ہیں وہ فرد معاشرے اور ریاست کو بدلتے ہیں حکومت کو بدلنے کی جدوجہد نہیں کرتے کیونکہ اگر ان تین سطحوں پر تبدیلی آ جائے تو یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ حکومت تبدیل نہ ہو ریاست اسلامی نہ ہو جائے اور حکومت غیر اسلامی رہے حضرت موسیٰ نے فرعون کے دربار میں کھڑے ہو کر اس سے تخت سے دستبردار ہونے کی بات نہیں کی اسے صرف اللہ کی طرف دعوت دی لیکن وہ سمجھ گیا کہ اس دعوت کا اصل مفہوم کیا ہے اور حضرت موسیٰؑ کی دعوت جب بھی قبولیت حاصل کرے گی تو فرد سے لے کر معاشرے ریاست اور حکومت تک کے طرز میں تبدیلی واقع ہو جائے گی اس نے تغیر کے خطرے کو اچھی طرح محسوس کر لیا اور اپنے اہل مشورہ سے کہا کہ یہ تو ہمیں ہماری سرزمین سے بے دخل کرنا چاہتا ہے حالانکہ حضرت موسیٰ نے بے دخلی کی کوئی بات نہیں کی اقتدار پر قبضے کا نہیں کہا تختِ حکومت چھوڑنے کا کوئی مطالبہ نہیں کیا لیکن فرعون سمجھ گیا کہ ایک نئی مابعد الطبیعیات کا مطلب یہی ہے کہ قدیم مابعد الطبیعیات اس کے ادارے اس کے اعضاء جوارح اس کی علمیت اس کی قوت و شوکت کو بھی حضرت موسیٰؑ کے پیش کردہ دین کے سامنے سرنگوں ہونا ہوگا۔ ریاستی نظام سے باہر رہنا ممکن نہیں اور نہ ہی حکومت کو نظر انداز کرنا ممکن ہے حکومت ایک نظام اقتدار ہے جس کے بارے میں آپ غیر جانبدار رہ نہیں سکتے نظام اقتدار کی بنیاد ہی قبولیت ہے پولیس والے کے کہنے پر رکنا یہ اقرار ہے کہ میں اس کا حق سمجھتا ہوں کہ وہ مجھے روک سکتا ہے لہٰذا حکومت کے بارے میں کوئی غیر جانبدار لاتعلق نہیں رہ سکتا جو یہ کہتا ہے کہ میرا سیاست حکومت سے کوئی تعلق نہیں اس کا تعلق بھی اصلاً حکومت سے ہے وہ اس کے تمام احکامات کی پیروی کرتا ہے یعنی اس کے جبر کو بخوشی تسلیم کر لیتا ہے ریاست اور حکومت کی بحث انقلاب برپا کرنے والوں کے یہاں نہایت اہمیت کی حامل ہے لیکن کیا وجہ ہے کہ ہماری انقلابی اسلامی جماعتوں میں اس موضوع پر کوئی گفتگو نہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہماری اسلامی تحریکیں ریاست کو بدلنے کے بجائے تمام طاقت حکومت کو بدلنے میں جھونک دیتی ہیں ایک اہم جائزہ۔

[۳۴] اس نقطۂ نظر کا جائزہ کہ تبلیغی جماعت اور دعوت اسلامی دو ایسی جماعتیں ہیں جن کے سوا کوئی عوامی اسلامی جماعت نہیں۔ ان کے

اجتماعات میں لاکھوں آدمی آتے ہیں دونوں جماعتیں سمجھتی ہیں کہ وہ نظام اقتدار کے معاملے میں غیر جانبدار ہیں اور اس پر وہ فخر کرتے ہیں اور خود کو غیر سیاسی کہتے ہیں ہماری تاریخ میں لا تعداد ایسے گروہ ملیں گے جو نظام اقتدار و سیاست و حکومت کے معاملے میں مکمل غیر جانبداری، مکمل لاتعلقی کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن اس لاتعلقی اور غیر جانبداری کے باوجود عملاً وہ رائج الوقت اقتدار کو قانونی جواز عطا کرتے ہیں اور رائج شدہ نظام اقتدار کو قبول کرتے ہیں اور غیر شعوری طور پر حکومت کو برحق قرار دیتے ہیں یہ رویہ خطرناک ہے بہ ظاہر مدارس اور خانقاہیں کسی حکومت سے کوئی تعلق نہیں رکھتیں لیکن عملاً ان کا ریاستی اداروں سے براہ راست تعلق ہے۔ان پر انحصار ہے حتّٰی کہ وہ اپنے تمام کام سرکاری تعاون کے بغیر نہیں کرسکتیں لہٰذا یہ کہنا کہ ہمارا سیاست اور حکومت کے معاملات سے کوئی تعلق نہیں محض سادہ لوحی کی انتہا ہے جب تعلق موجود ہے تو تعلق کی نوعیت ماہیت اور حقیقت کا معلوم ہونا بھی ضروری ہے اور اس کے مطابق تعلقات کی ترتیب کا ادراک بھی لازمی ہے ایک اہم تجزیہ۔

[۳۵] اس نقطۂ نظر کا گہرا ناقدانہ جائزہ کہ ۱۹۲۰ میں جمعیت العلمائے ہند کا اجتماع تاریخی لحاظ سے مسلمانان ہند کے لئے نہایت اہمیت کا حامل ہے اس سے پہلے علماء نے انگریز کی ہر اصلاح کی مخالفت کی لیکن ۱۹۲۰ء میں طے کیا گیا کہ تحریک خلافت کو کامیاب کرانے کے لئے دستوری دائرے میں رہنا ہوگا لہٰذا ۱۹۲۰ء سے ۱۹۴۷ء تک جمعیت العلماء ہند اور علماء کا سواد اعظم کانگریسی یا مسلم لیگی خانوں میں تقسیم ہوگیا اور دستوری سیاسی جدوجہد کو عین اسلامی قرار دیا گیا واحد استثناء حضرت سید عطا اللہ شاہؒ بخاری تھے جو حکومت الٰہیہ کی بات کرتے تھے لیکن وہ یہ بات کیوں کرتے تھے اور دستوریت کو کیوں رد کرتے تھے اس کا عملی شعور احرار کے تیار کردہ ادب میں نہیں ملتا دستوریت اور آئینی جدوجہد کی مخالفت کے باعث امیر شریعت کو سب نے چھوڑ دیا حالانکہ تحریک احرار میں تمام مکاتب فکر شامل تھے۔علامہ انور شاہ کاشمیریؒ و دیگر علماء نے شاہ جی کو امیر شریعت کا لقب دیا لیکن بعد میں علماء کی اکثریت نے انھیں تنہا چھوڑ کر قائداعظم یا گاندھی کی امارت قبول کرلی۔کیا علماء کرام امامت کبریٰ کے اہل نہیں ہیں کیا ان لوگوں کو امامت کبریٰ کے لئے اہل قرار دینا جو امامت صغریٰ کی اہلیت بھی نہیں رکھتے علماء کا غلط اجتہاد نہیں تھا کیا یہ اجتہاد غلط نہیں تھا کہ صرف دستوری و آئینی جدوجہد کی جائے؟ کیا علماء یہ نہیں سمجھ سکے کہ دستوری و آئینی جدوجہد کو ترک کرنے کا لازمی، منطقی، قطعی مطلب پرتشدد رویہ نہیں ہوتا لہٰذا انھوں نے اپنے آپ کو پرامن قانون پسند ثابت کرنے کے لئے احتیاطاً دستوریت و آئینی حصار میں محفوظ کرنے کی کوشش کی یہ جانے بغیر کہ دستوریت کی مابعد الطبیعیات کیا ہے؟ اس کا علمی تحقیقی و تاریخی پس منظر کیا ہے؟ کیا وقت نہیں آگیا کہ علماء دوبارہ ان مباحث پر غور کرکے ایک نئی جدوجہد کی بنیاد رکھیں؟ دستوری جدوجہد کو جواز دیتے ہوئے علماء کے سامنے مغربی فلسفہ امریکی فلسفہ فیڈرلسٹ پیپرز [Fedralist pqapers] اور بنیادی حقوق کے منشور کی اصل حقیقت سے متعلق مباحث رلوازمہ رمطبوعات موجود نہیں تھیں لہٰذا ان دستاویزات کی روشنی میں علماء کو از سرنو اس اجتہاد پر نظر ثانی کی ضرورت ہے۔کیا اس ضرورت سے انکار ممکن ہے ایک اہم ترین جائزہ۔

[۳٦] اس نقطۂ نظر کا جائزہ کہ پرویز مشرف حکومت میں شامل ہونے کے بعد ایم ایم اے کی گمراہی کا سبب تبلیغی جماعت دعوتِ اسلامی و دیگر مذہبی تنظیمات کا اس کو تنہا چھوڑنا ہے۔ضرورت چھوڑنے کی نہیں پکڑنے کی تھی۔اگر تبلیغی جماعت و دیگر دینی تحریکیں و مذہبی تنظیمات کی روحانیت ایم ایم اے کے ساتھ ساتھ رہتی اس کا محاکمہ محاسبہ کرتی رہتی تو کیا ایم ایم اے وہ کرسکتی تھی جو اس نے صوبہ سرحد میں کیا وہ سیاسی لوگ تھے انھوں نے گٹھ جوڑ کئے سیاسی اکھاڑ پچھاڑ کی مذہبی جماعتوں کی لاتعلقی کے باعث ایم ایم اے عمران خان، بے نظیر۔نواز شریف کو سیاسی پیرومرشد بنانے پر تیار رہی۔کیا یہ خیال درست ہے کہ اگر دعوت اسلامی اور تبلیغی جماعت ایم ایم اے کو اپنی روحانی گرفت میں رکھتی تو ایم ایم اے اصولوں سے انحراف نہ کرسکتی تھی۔ایک اہم جائزہ۔

[۳۷] اس نقطۂ نظر کا جائزہ کہ اسلامی حکومت کا قائم ہوجانا اسلامی انقلاب نہیں ہے حکومت قائم ہوجانے سے اسلامی ریاست قائم نہیں ہوجاتی اسلامی انقلاب نفاذ سے نہیں آتا نفوذ سے آتا ہے وہ افقی نہیں ہوتا عمودی ہوتا ہے وہ آ نہیں جاتا آتا رہتا ہے اور آمد کا یہ سلسلہ

جاری وساری رہتا ہے وہ اوپر سے نیچے نہیں آتا وہ نیچے سے اوپر جاتا ہے وہ مسلط نہیں کیا جاتا سرایت کرتا ہے سرایت کرنے کا عمل تین مراحل میں طے ہوتا ہے پہلے فرد کی انفرادی زندگی بدلتی ہے جو معاشرت کو بدلنے کی پہلی منزل ہے معاشرت بدل جاتی ہے تو یہ ریاست کو بدل دیتی ہے ریاست بدل جاتی ہے تو حکومت کا بدلنا لازمی ہو جاتا ہے یہ کیسے ممکن ہے کہ فرد، شخصیت، معاشرت، انفرادیت، عمومی تشخص اور ریاست اسلامی ہو لیکن حکومت غیر اسلامی رہے اسی لئے اسلامی انقلاب دیمک کی طرح برپا ہوتا ہے دیمک جب بنیادوں کو کھوکھلا کر دیتی ہے تو طلوع ہو کر اپنے وجود کا اعلان کرتی ہے اس کے ظہور کا مطلب یہی ہے کہ انقلاب نے نظام کہنہ کو مسترد، کھوکھلا اور مردہ کر دیا ہے اب کسی میں مقابلے کی سکت نہیں رہی دیمک طبل جنگ بجاتی ہوئی، نقارے پھونکتی، ڈھول پیٹتی نہیں آتی وہ فطری طریقے سے آتی ہے لہٰذا جو انقلاب فطری طریقے سے آتے ہیں وہی پائیدار اور دیرپا ہوتے ہیں اسی لئے اسلامی انقلابی شخصیت حکومت بنانے اسے چلانے اسے قائم کرنے کی جدوجہد نہیں کرتی وہ اسلامی انفرادیت شخصیت اور ریاست کے قیام کی جدوجہد کرتی ہے جس کے نتیجے میں اسلامی حکومت بھی لازماً قائم ہو جاتی ہے لیکن اس کی جدوجہد کا اصل مقصد اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کرنا ہے۔ انبیاء کے سوا ہر تحریک میں خامی ہوگی کوئی پہلو کم زور رہا ہوگا انسان کی بزرگی و برتری اخلاص و دین داری طلب مغفرت سے ہوگی۔ عصر حاضر کی انقلابی جدوجہد کی بنیادی خامیوں کا پہلا محاکمہ۔

[۳۸] اس نقطۂ نظر کا جائزہ کہ حضرت شاہ ولی اللہ کے فکر کی کلیت سے جزوی علمیت اخذ کر کے ہندوستان میں اہل حدیث، دیوبندی، بریلوی مکاتب فکر برپا ہوئے جنھوں نے شاہ صاحب کی کلیت کو اپنے اپنے ذوق مزاج منہاج کے مطابق جزواً جزواً اختیار کر لیا شاہ صاحب کی حیثیت اس امت میں وہی ہے جو تمام امتوں میں حضرت ابراہیمؑ کی ہے کہ ہر امت اپنا رشتہ آپ ہی سے جوڑتی ہے اسی طرح ہند میں برپا ہونے والی تمام تحریکیں، تمام مکاتب فکر، تمام اجتہادی، جہادی، اصلاحی، اسلامی، انقلابی، احیائی تحریکیں اصلاً شاہ صاحب کے بحر بے کنار سے نکلنے والی آب جو کے سوا کچھ نہیں بعض محققین کے خیال میں دیوبند، بریلی، اہل حدیث جماعت اسلامی ولی اللّٰہی مکتب فکر کے انیسویں صدی کے اجتہادات ہیں جو اسلامی شناخت کو مختلف دائروں میں برپا کرنے اور زندہ رکھنے کی کوشش ہیں اس لئے اگر آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ میرا کسی شناخت سے تعلق نہیں تو دراصل آپ نے اپنی شناخت کھودی آپ کی شخصیت میں بریلویت، اہلحدیثیت، دیوبندیت جماعت اسلامی نے ایک اہم کردار ادا کیا ہے۔ لہذا یہ سب ایک دوسرے کو اپنا بھائی سمجھیں دیوبندی کا سب سے بڑا کام ماخذات دین سے تعلق قائم رکھنا ہے۔ اسلام Method ہے ماخذات دین سے مطالب کیسے اخذ کئے جائیں یہ طریقہ محفوظ رکھا دیوبندیت نے علم کی کہکشاں کی حفاظت کی۔ بریلویت کا کمال یہ ہے انھوں نے اسلام کو بحیثیت شعلہ عشق کے روشن رکھا اسلامی ثقافت روایات کو رسوم و رواج کے اندر سمو کر عشق رسالت ماب کی شمع کو عوامی زندگی کے ذریعے زندہ رکھا پیری و مریدی کو زندہ رکھا حنفیت اور تقلید کی شمع بھی روشن رکھی اور سلوک کے نظام کو بھی اہل حدیث نے جہاد کی روایت کو زندہ رکھا اور علم حدیث میں اہم کام کیا۔ شرک و بدعات کے خلاف جدوجہد کی اور اس جدوجہد میں حدود سے تجاوز کرتے ہوئے کلمہ گو مسلمین کو کبھی کبھی مشرک قرار دے ڈالا۔ تصوف کی تعلیمات مولانا مودودیؒ سے نہیں مل سکتیں لیکن اسلام کا تصور دین وہاں سے مل سکتا ہے خصوصاً ریاست و سیاست، شاہ ولی اللہ کے مدرسہ فکر سے نکلنے والے ان تمام مکاتب فکر نے شاہ صاحب کی کلیت سے جزئیات لے کر اپنے مکتب فکر کی انفرادیت قائم کی لیکن شاہ صاحب سے وہ توسع، وسعت، حلم، تحمل، صرف نظر نہیں لیا جو شاہ صاحب کا خاص طرہ امتیاز تھا جس کے باعث شاہ صاحب کے سمندر سے نکلنے والے یہ دریا تشدد، غصہ، عمل اور ردعمل، اشتعال، غیض و غضب کے جذبات میں بہہ کر ایک دوسرے کی خوبیوں کا اندازہ نہ کر سکے اور کفر کی تکفیر کے بجائے ایک دوسرے کی تکفیر میں زیادہ سہولت محسوس کی شاہ صاحب کے جوئے رواں سے نکلنے والے ان چشموں نے اپنے کاموں میں تطبیق پیدا کرنے تلفیق دیکھنے کے بجائے اصول تفریق کو بنیادی اہمیت دی لہٰذا یہ گروہ ہم آہنگ ہونے کے بجائے ایک دوسرے سے متصادم اور ایک دوسرے کے خلاف بلند آہنگ رہے ان گروہوں کے اجتہادات کے مابین تلفیق و تطبیق کی ضرورت ہے یہ تمام گروہ شاہ

ولی اللہ کے چشمۂ فیض کا اثر ہیں اور شاہ صاحب کے فکری کلیات کے جزوی دھارے ہیں لیکن انھوں نے جزئیات کو کل دین سمجھ لیا ہے جس کے باعث اختلافات پیدا ہوگئے ہیں اگر یہ چاروں فکری دائرے شاہ صاحب کے کلی فکر کے تناظر میں اپنا جائزہ لیں تو ان میں بظاہر نظر آنے والے فاصلے لمحوں میں ختم ہوجائیں گے۔ اصولی طور پر گروہوں کا انکار استرداد نہ کیا جائے کسی کی تکفیر مقصود ہو تو اجماع امت سے طے شدہ نصوص کی روشنی میں تکفیر کی جائے امت کے اجماع سے ثابت اصول وقواعد کو تکفیر کے وقت خصوصاً پیش نظر رکھا جائے احناف اگر امام ابوحنیفہؒ کے اصول تکفیر کو سامنے رکھیں تو شاید وہ تکفیر کے متشدد رویوں سے لمحوں میں دستبردار ہوجائیں اور احتیاط کا دامن ہمیشہ کے لئے تھام لیں اس نقطۂ نظر کا پہلا محققانہ جائزہ۔ ایک اہم تنقیدی تبصرہ۔

[۳۹] اس نقطۂ نظر کا جائزہ کہ ریاست اور حکومت کو اسلامی تحریکیں اور ان کے قائدین غلطی سے ایک سمجھتے ہیں اگر وہ متبادل ریاست بنائیں تو یقیناً حکومت بے کار ہوجائے گی۔ معطل ہوجائے گی جس طرح بے نظیر کے قتل کے بعد ایک ہفتے تک پیپلز پارٹی کے کارکنوں نے حکومت کو بے دست وپا معطل اور بے کار کرکے رکھ دیا۔ مسئلہ یہ ہے کہ اسلامی تحریکوں نے طاقت کا کوئی متوازی ڈھانچہ اور ریاست کا کوئی متبادل نظام قائم نہیں کیا اس کے بغیر اسلامی قوت نافذہ نہیں کھڑی ہوسکتی۔ اگر ہم موجودہ حالات کو ابدی، قطعی، حتمی سمجھ لیں تو کوئی تبدیلی نہیں ہوگی۔ المیہ یہ ہے کہ قیام پاکستان کو اسلامی ریاست کا متبادل سمجھا گیا مسلم لیگ بریلویت دیوبندیت کو کھا گئی۔ سنی کانفرنس نے کہا کہ اگر قائداعظم پاکستان نہ بنائیں تب بھی ہم پاکستان بنائیں گے محمد علی جناح نے دیوبندیوں، بریلویوں سے صاف صاف کہا کہ میں اسلامی نظام نافذ نہیں کرسکتا اگر اسمبلی کردے تو ٹھیک ہے۔ کیا وجہ ہے کہ ہماری دینی تحریکیں اسلامی نظام کے قیام کے لئے ہمیشہ سہارے ڈھونڈتی ہیں اور وعدوں پر اعتبار کرتی ہیں خود یہ کام نہیں سنبھالتیں کبھی یہ یحییٰ خان کے وعدوں پر زندہ رہتی ہیں کبھی بھٹو کے قیام اسلامی نظام کے دعووں پر صاد کرتی ہیں کبھی ضیاء الحق کے انقلاب اسلام پر اعتبار کرتی ہیں کبھی نواز شریف سے امید کا دامن باندھ کر سب کچھ اس کی جھولی میں ڈال دیتی ہیں کبھی ایم ایم اے سے پیوستہ رہ کر امید بہار کی منتظر ہوتی ہیں دینی جماعتوں کی ناکامیوں کی سرگزشت۔

[۴۰] اس نقطۂ نظر کا جائزہ کہ دینی گروہوں میں سے جو گروہ ایک دوسرے پر سبقت حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے وہ لازماً استعمار کا حلیف بن جاتا ہے۔ ایک دوسرے پر فائق ہونے اور خود کو دوسرے سے لازماً برتر اور افضل سمجھنے کے نتیجے میں حرص وحسد کی ذہنیت پیدا ہوتی ہے یہ ذہنیت سنگین نوعیت کی اخلاقی بیماریاں پیدا کرتی ہے عربی زبان کا محاورہ ہے کہ سانپ اپنے زہر سے نہیں مرتا لیکن حاسد اپنے حسد کی آگ میں جلتا رہتا ہے ایک دوسرے سے آگے بڑھنے اور سرکاری حمایت سے اپنے پرچم بلند کرنے اور ہر بام ودر تک اپنے ذکر کی وسعت کا جمالیاتی تصور دینی گروہوں کی عظمت کو دھندلا دیتا ہے۔ مشائخ نے پرویز مشرف کی حمایت صرف اس لئے کی کہ ضیاء دیوبندی تھا اس نے دیوبندیت کی حمایت کی تھی لہٰذا اب بریلوی ردعمل کے طور پر مشرف کی حمایت کریں گے حمایت کی بنیاد کوئی اصول نہیں تاریخی مخالفت ومخاصمت ہوگی۔ حمایت کے اس موقع پر جمعیت العلمائے پاکستان نے بریلوی مسلک کے باوجود جنرل مشرف کی حمایت نہیں کی حالانکہ جمعیت نے جنرل ضیاء کی شدید مخالفت کی تھی یہ رویہ نہایت متوازن اور بہترین تھا دین کی نصرت وحمایت اہم ہے نہ کہ آمروں کی۔ رحمہا بینھم چھوڑنے کے باعث دینی گروہ دین کے مخالفین کی حمایت کرنے لگتے ہیں یہ کیا المیہ ہے کہ بریلویوں کا اہل حدیث، دیوبندی، جماعت اسلامی کا ایک دوسرے سے سے اتحاد نہیں ہوسکتا لیکن استعماری کارندے شوکت عزیز سے ہوسکتا ہے پرویز مشرف سے ہوسکتا ہے حاجی حنیف طیب کی پرویز مشرف سے تنہائی میں دو گھنٹے ملاقات ہوئی اور انھوں نے پرویز مشرف کو قائل کرلیا اور پرویز مشرف نے انہیں کھلی آزادی دی کہ وہ جو حکومتی مشینری سے جو کام لینا چاہیں لے لیں۔ افسوس یہ کہ اس مفاہمت کے فوری بعد ہی پرویز مشرف کا زوال شروع ہوگیا کراچی کے نشتر پارک میں جماعت اہلسنت کے جلسے میں بم دھماکے کے بعد پرویز مشرف کی بریلوی اکابرین سے ملاقات ہوئی تو ملاقات کے فوری بعد اس دھماکے کا الزام دیوبندیت کی طرف منتقل ہوگیا جبکہ ملاقات سے پہلے اس کا الزام ایک لسانی سیاسی جماعت کے سر تھوپ دیا گیا تھا ملاقات میں امریکہ، اسلام، مغرب، بے دینی، الحاد، میڈیا جیسے بڑے بڑے مسائل کے بجائے سرکاری

اداروں اور شرعی عدالت میں بریلویوں کے کوٹے پر علماء کی تقرری کے چھوٹے چھوٹے مسائل تھے اس کی تفصیلات روز نامہ جنگ نے شائع کیں جو نہایت افسوسناک ہیں یہ المیہ ہے کہ دینی گروہوں کی دینی حلقوں سے مفاہمت نہیں ہوسکتی لیکن عالمی استعماری طاقتوں کے ایجنٹوں سے بخوبی مفاہمت ہو جاتی ہے مدارس و مساجد کے تحفظ کا مسئلہ ہو تو دیو بندی بریلوی اہل حدیث ایک ہو جاتے ہیں اور ممتاز بریلوی عالم حضرت مولانا مفتی منیب الرحمان کی قیادت میں شوکت عزیز سے ملاقات ہوتی ہے تو دیو بندی مکتب فکر کے اکابر علماء بھی شریک ہوتے ہیں لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ چھوٹے چھوٹے معاملات کی خاطر اتحاد بین المسلمین میں کیوں رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے اگر ان مکاتب فکر میں کفر و اسلام کا رشتہ ہے تو آخر یہ قومی اتحاد، ایم ایم اے، متحدہ شریعت محاذ، مساجد و مدارس کے تحفظ، آڈٹ وغیرہ کے معاملات پر کیسے متحد ہو جاتے ہیں تمام مکاتب فکر کے علماء کو نہایت سنجیدگی کے ساتھ اپنے اس رویے کا بار بار جائزہ لینا چاہیے اگر انھوں نے صرف نظر کیا تو نہ صرف خدا کے یہاں ان کا سخت محاسبہ ہوگا بلکہ دنیا میں ان کے متوسلین، معتقدین اور مریبوں میں بھی ان کا وقار اعتبار ساقط ہو جائے گا علماء اور دینی جماعتوں کو یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ اسلامی نظریاتی کونسل کی صدارت اور وزارت مذہبی امور پر قبضہ کرنے سے نہ اسلام غالب ہوگا نہ ان کے مسلک کو غلبہ ملے گا جس مذہبی جماعت نے بھی فوجی حکومتوں اور سیکولر سیاسی حکومتوں میں وزارتیں قبول کیں وہ ہمیشہ ذلیل و رسوا ہوئیں جماعت اسلامی، پی این اے، جمعیت العلمائے اسلام، ایم ایم اے کی تاریخ سب کے سامنے ہے یاد رہے کہ عزت اسے ملی جو چمن سے نکل گیا۔ یہ اعزاز جمعیت العلمائے پاکستان کو حاصل ہوا۔ جب تک جماعت اسلامی اقتدار سے دور رہی اور اس کی قیادت جیلوں میں بند رہی اس کی عمومی مقبولیت اور عزت ہمیشہ آج کل سے بہت بہتر رہی لیکن جنرل ضیاء الحق کی آمریت سے تعاون کے بعد جماعت کی قیادت اقتدار و اختیار کے ایوانوں سے مسلسل معانقہ کر رہی ہے اور مسلسل اپنی عزت کھو رہی ہے نہ دین مل رہا ہے نہ دنیا مل رہی ہے۔ مذہبی جماعتوں کو وکلاء کی جدو جہد سے سبق سیکھنا چاہیے سیکولرازم کے یہ کارندے اپنے نظام کفر کو بچانے کے لیے ایک سال سے مسلسل قربانی دے رہے ہیں اور کوئی مفاہمت نہیں کر رہے ہزاروں وکلا ماہانہ لاکھوں روپے کا نقصان برداشت کر رہے ہیں کسی سیاست اور سیاسی جماعت کے بغیر وہ لوگوں کے دلوں کی دھڑکن بن گئے ہیں عوام میں ان کو اس قدر پذیرائی ملی ہے کہ ان کے موقف کے خلاف کوئی جماعت نہ احتجاج کر سکی نہ وکلاء کو حکومت کا ہمنوا بنا سکی جو بھی گروہ اپنے مقاصد کے لیے خواہ وہ کسی دینی بنیاد سے خالی ہوں اخلاص کے ساتھ جدو جہد کرے گا تو اس کے اخلاص کو لامحالہ پذیرائی ملے گی وکلاء کی خالص سیکولر، غیر مذہبی جدو جہد کو ہر فرد کی حمایت حاصل ہے تو آخر کیا وجہ ہے کہ لوگوں کی یہ محبت دینی جماعتوں کے لئے بیدار نہ ہوسکی اس کی واحد وجہ ان کے کردار کی خامیاں اور مفاد پرستی کے عاجلانہ رویے ہیں۔ کیا دینی جماعتوں نے ایسی کوئی تحریک چلائی جو ایک سال تک چلتی رہی ہو اور اسے پذیرائی بھی ملی ہو اگر ایک شخص کے صرف No کہنے سے تاریخ بدل جاتی ہے اور اس کے سیاہ کارنامے لوگ معاف کر دیتے ہیں تو اگر مذہبی جماعتیں بھی نظام کفر کا انکار کر دیں اقتدار و اختیار کا حصے بننے کے لئے اپنے اصولوں، نظریات اور مقاصد کا خون کرنے سے انکار کر دیں اپنے مالی و مادی مفادات کو ایک سال کے لیے پس پشت ڈال دیں تو ان کی تاریخ بھی بدل جائے گی اور ان کے ماضی کی غلطیاں بھی فراموش کر دی جائیں گی دنیا کی تاریخ بتاتی ہے کہ جب بھی کسی گروہ نے اپنے علم و عمل سے خیر کی طرف دعوت دی تو لوگوں نے جوق در جوق رجوع کیا لوگ لادینی کام کے اخلاص کے باعث اس کی حمایت کرتے ہیں تو دینی جماعتوں کی حمایت کیوں نہیں کریں گے بشرطیکہ وہ اخلاص اور حسن عمل سے اپنی للٰہیت ثابت کر دیں۔ یہ بات یاد رہے کہ سیکولر حکومت پر جس نے بھی انحصار کیا اور خواہ کسی جذبے کے تحت کیا اس کو ہمیشہ تنہائی اور کم مائیگی و رسوائی کا سامنا کرنا پڑا جماعت اسلامی نے یحییٰ خان، ضیاء الحق سے اچھے مراسم پیدا کیے اقتدار میں شمولیت کی لیکن ان کی وقعت ان کے اپنے مکتبہ فکر میں کم ہوگئی دیو بندی مکتب کے ایک گروہ نے ضیاء الحق سے اور بریلوی مکتب نے صدر اسحاق اور پرویز مشرف سے تعلقات بہتر بنانے کی کوشش کی ان کا وقار اور اعتبار بھی کم ہو گیا۔ مولانا نورانی نے ضیاء الحق کی کابینہ میں شرکت سے انکار کر کے ایک نئی تاریخ رقم کی لیکن بعد میں عبوری کابینہ میں شرکت سے یہ منظر دھندلا گیا۔ دینی مکاتب فکر کی آپس کی لڑائی جہاد نہیں

فتنہ ہے جہاد ان کے خلاف ہونا چاہیے جو اسلامی طرزِ زندگی کو معطل کرنا چاہتے ہیں اور اسلام کی تعبیر اجماع کو نہیں مانتے دینی جماعتوں کے افسوسناک رویوں کا ایک اہم جائزہ اور ان رویوں کی تبدیلی کے لئے بعض نازک مشورے۔

[۴۱] اس نقطۂ نظر کا جائزہ کہ کیا ریاست کے ڈھانچے کو اسلامی بنایا جاسکتا ہے۔ ریاست سے ٹکراؤ کے خدوخال کیا ہوں گے؟ کیا ہر مسجد اپنے اردگرد کے علاقے میں عملاً صاحب اقتدار ہوسکتی ہے کیا یہ ممکن ہے کہ مسجد کے اردگرد تین کلومیٹر کے علاقے میں امام مسجد کے حکم کے بغیر کوئی کام نہ ہو اس کی اخلاقی برتری اتنی مستحکم ہو کہ کوئی معاملہ ان کی اجازت کے بغیر حل نہ ہو تو لوگ علماء سے رجوع کریں علماء سے مشورہ کریں۔ کیا یہ ممکن ہے کہ عوام کی زندگی، بازار اور محلے کی سطح پر مساجد و مدارس کا اخلاقی اقتدار مسلط ہو جائے؟ کیا مساجد مدارس کے لئے ممکن ہے کہ اجتماعی معاملات سے علماء لاتعلق نہ ہوں محلے بازار کے زندہ مسائل سے علماء کا براہِ راست تعلق ہو اور ان کی علمیت ان مسائل کو حکمت محبت اور حکمت عملی کے ساتھ دینی پیمانے پر حل کرنے کی صلاحیت رکھتی ہو خشیت الٰہی اور تقویٰ ہو تو اس عمل میں ہونے والی غلطیاں بھی اللہ اپنی رحمت سے ڈھانپ دیتا ہے اور عوام مذکورہ عالم کے تقویٰ کے پیش نظر ایسے امور کو نظر انداز کر دیتے ہیں اس طریقے سے عوام اور دینی قوتوں کو طاقت کے متبادل مراکز مل سکتے ہیں اس تجزیے کا تجزیہ۔ [۱۱] اس نقطۂ نظر کا جائزہ کہ احرار حضرت شیخ الہندؒ کے انقلابی کام کی اصل وارث ہے احرار تہذیب ہے تنظیم نہیں یہ تحریک ہے اور مہمات [Agitational movements] اور احتجاجی تحریکوں کا نام ہے احرار میں تحریک کو منظّم کرنے کا عنصر نہیں تھا وہ ثمرات سمیٹنے کی اہلیت نہیں علماء احرار غلبہ اسلام کی حکمت عملی مرتب نہ کر سکے احرار کا دائرہ کار صرف ہنگامی تحریکوں، ایک نکاتی مہمات سے سمٹتے سمٹتے صرف علاقائی مہمات و مسائل تک رہ گیا۔

[۴۲] اس نقطۂ نظر کا ناقدانہ جائزہ کہ جماعت اسلامی تحریک احرار کا ثمرہ ہے اسی لئے احرار کے لوگ کثرت سے جماعت اسلامی میں شامل ہوئے۔ احرار میں تمام مکاتب فکر عملاً شامل تھے احرار نے لکھنو میں شیعہ سنی اتحاد میں نمایاں کردار ادا کیا۔ اپنی انقلابی فکر کے باعث احرار کو ہر مکتب فکر میں مقبولیت ملی لیکن ہندوستان کی آزادی کی قومی سیاست جو مذہبی طبقات کی حمایت سے جاری تھی عین احرار کے عروج کے زمانے میں برپا ہوئی لہٰذا احرار پس منظر میں چلے گئے وہ جزئیات پر توجہ مرکوز کرتے رہے انھوں نے کلیات سے تعرض نہیں کیا سچ یہ ہے کہ وہ ایک ہنگامہ، غلغلہ، اور بلبلہ بن کر رہ گئے؟ احرار اور تنظیم اسلامی کو اپنا تشخص و انفرادیت برقرار رکھتے ہوئے جماعت اسلامی میں شامل ہو جانا چاہیے یہ ایک فطری طریقہ ہوگا جس سے قافلۂ دینی کی قوت و شوکت میں اضافہ ہوگا جماعت اسلامی کی تنظیم، تنظیم اسلامی کی علمیت اور احرار کا خون جگر، جوش جنون اور سوز دروں ایک نئی بہار کا عنوان بن سکے گا؟

[۴۳] اس نقطۂ نظر کا محققانہ جائزہ کہ جماعت اسلامی کی تاسیس کے وقت ۷۳ آدمی جمع ہوئے تو ہاں ۷۰ علماء تھے اور ایک مولانا مودودیؒ متکلم تھے اور بڑے جید علماء ان کے علم کلام سے متاثر ہو کر جمع ہوئے تھے لیکن کچھ اختلافات تھے، تحفظات تھے یہ طے ہوا تھا کہ اختلافات تحفظات کے باوجود مولانا کے فکر کے بارے میں اور اختلافی مسائل پر خاموش رہیں گے یہ ممکن نہ رہے تو جماعت سے الگ ہو جائیں گے لہٰذا پہلے ندوی اور دیوبندی مفکرین الگ ہوگئے جو رہ گئے تھے ۱۹۴۶ء کے بعد وہ بھی الگ ہوگئے۔ اہل حدیث علماء ستّر کے عشرے تک رہے ان کا اثر و رسوخ بہت تھا لہٰذا جماعت اسلامی کے بارے میں یہ تاثر عام ہوگیا ہے کہ یہ وہابیوں کی جماعت ہے جبکہ اصلاً یہ تمام مکاتب فکر کی جماعت تھی جس میں احراری، ندوی، دیوبندی، اہل حدیث، شیعہ سے لے کر بریلوی تک شامل تھے بچے کھچے علماء نے طے کیا کہ امت کے وسیع تر مفاد میں مولانا مودودی کی بعض ایسی آراء سے جو مسلک جمہور کے مطابق نہیں ان پر چپ رہیں گے جیسے خلافت و ملوکیت پر تنقید کرتے ہوئے رکن جماعت ممتاز عالم و شیخ الحدیث مولانا معین الدین صاحب نے کتاب لکھی لیکن کبھی شائع نہیں کی۔ یہ کتاب مولانا مودودیؒ کو پیش کی گئی جماعت کے اندرونی علمی حلقوں میں اس پر بحث و مباحثہ ہوا غالباً یہ آخری بحث و مباحثہ تھا اس کے بعد جماعت میں مباحثہ ختم ہوگیا نظری بحثیں نہیں ہوئیں صرف حکمت عملی کی باتیں ہوتی ہیں علمی و نظری کام نہیں ہوتے جماعت کے تنظیمی ڈھانچے کی بہت بڑی کمزوری یہ ہے کہ کسی موقف یا مسئلے پر کثرت رائے سے ہونے والے اجتماعی فیصلے کے بعد کسی رکن کو حق

نہیں کہ وہ تنقید کرے یہ راسخ العقیدہ عمل ہے اس سے بڑا نقصان ہوا تحریک اسلامی کا کارکن نابغہ روزگار ہے جو مسلسل ناکامیوں، غلطیوں کے باوجود تحریک سے منسلک ہے وہ جنونی ہے خبطی ہے اس نے دنیا چھوڑ دی ہے وہ محض دین کام کر رہا ہے جس کا تصور بھی ممکن نہیں یہ کارکن اپنی عاقبت کے لئے کوشاں ہے۔ لیکن جماعت میں تنقید کے عمل کو بہت زیادہ محدود کرنے کے باعث یہ کارکن اپنے جذبات اعلیٰ سطح تک نہیں پہنچا سکتا اور جماعت میں اعلیٰ علمی سطح رکھنے والے اپنے اختلافات کو بیان کرنے کے لئے کشادہ فضاء نہیں پاتے یہ فضاء پیدا ہو جائے تو جماعت اسلامی کا مخلص کارکن بہت جلد انقلاب برپا کر دے۔

[۴۴] اس جاہلانہ نقطۂ نظر کا جائزہ تاریخ کی روشنی میں کہ علماء نے فقہ کے جبر کے تحت اسلام کی تیرہ سو سالہ تاریخ میں خروج کے ذریعے اقتدار کی تبدیلی کے بجائے صرف دعوت حکمت موعظت اور افہام و تفہیم کے ذریعے اصلاح اقتدار اور تبدیلی اقتدار کی کوشش کی جس سے اسلام کے انقلابی حرکی ارتقائی تصور کو شدید دھچکا پہنچا خروج و جہاد کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ اس گہرے تعلق کے بغیر انقلابی حکمت عملی نہیں بنائی جاسکتی حضرت مجدد الف ثانیؒ نے جہانگیر کی اصلاح کی کوشش کی خروج کے ذریعے تاج و تخت بدلنے کی کوشش نہیں کی، آپ نے مہابت خان کے ذریعے انقلاب لانے کی کوشش نہیں کی۔ اس کا سبب فقہ کا جبر ہے کہ خروج کی شرائط بہت سخت ہیں لہٰذا عموماً حکمرانوں کو برداشت کیا گیا اگر برداشت نہ کیا جاتا تو حالات بالکل مختلف ہوتے ہندوستان اسلام کا گہوارہ بن جاتا۔ عصر حاضر میں بھی یہی صورت حال برقرار ہے اور فقہ کے جبر کے تحت شدید شرائط کے باعث خروج کو علماء اہمیت نہیں دیتے اور آئینی، دستوری، قانونی، غیر مسلح جدوجہد کو واحد طریقہ کار سمجھتے ہیں جس کے باعث انقلاب اسلامی کی منزل دور سے دور ہوتی جا رہی ہے؟

[۴۵] اس نقطۂ نظر کا جائزہ کہ خلافت عثمانیہ و مغلیہ اور موجودہ اسلامی ریاستوں میں بنیادی نوعیت کا کیا فرق ہے جسے نظر انداز کرنے کے نتیجے میں علماء بہت سے سیاسی مباحث کی اصل تک نہیں پہنچ پاتے اور بعض مرتبہ ایسے فتاویٰ دیتے اور ایسی رائے کا اظہار کرتے اور ایسے اجتہادات کرتے ہیں جس سے براہ راست دین کو زک پہنچتی اور اہل دین کمزور ہوتے ہیں اسی مسئلے کی صحیح تفہیم و ادراک کے لیے ضروری ہے کہ علماء کرام ان سوالات پر شدت سے غور فرمائیں کہ خلافت عثمانیہ و دیگر خلافتیں اور عہد حاضر کی قومی اسلامی ریاستوں کی ماہیت اور حقیقت یکساں ہیں؟ کیا یہ تمام ریاستیں یکساں سطح اور یکساں درجہ بندی کے قابل ہیں اس سوال پر غور کرنے سے پہلے اس بات پر بھی غور کیا جائے کہ اسلامی تاریخ کے مطالعے کا طریقہ کیا ہے؟ خلافت کی اقسام کیا ہیں امام ماوردیؒ امام ابن خلدونؒ، شاہ ولی اللہؒ نے تاریخ کی درجہ بندی کیسے کی؟ اس کا مطالعہ کیسے کیا؟ تاریخ اسلامی کے تسلسل کی اہمیت کیا ہے۔ اسلامی تاریخ خلافت راشدہ سے خلافت عثمانیہ تک ہماری تاریخ اسلامی تاریخ تھی یا نہیں ۱۹۶۰ء میں جب مولانا مودودیؒ کی کتاب خلافت و ملوکیت کے حوالے سے مباحثہ شروع ہوا تو صراط مستقیم پر کیوں جاری نہ رہ سکا اور افراط و تفریط کا شکار ہو گیا مولانا مودودیؒ نے پہلی مرتبہ اسلامی تاریخ کی ایک ایسی تعبیر پیش کی جو سلف سے لے کر خلف تک سب کے لئے اجنبی نامانوس ناقابلِ قبول غیر منطقی تھی مولانا مودودیؒ نے یہ نظریہ پیش کیا کہ خلافت راشدہ تک صرف چالیس سال اسلام کی تاریخ ہے لیکن اس کے بعد کی پوری تاریخ مسلمانوں کی تاریخ ہے اسلام کی تاریخ نہیں اس طرح انھوں نے اسلامی تاریخ کو محض خلافت راشدہ تک محدود کر دیا اور یہ بتایا کہ اس کے بعد نظام جاہلیت مسلمانوں پر مسلط ہو گیا یہ کامل غلط نظریہ تھا جس کا ماخذ مغربی جمہوریت سے مولانا مودودیؒ کی اثر پذیری تھی۔ تاریخ اسلامی کا سفر صرف خلفائے راشدین کے ساتھ ہی ختم نہیں ہو گیا۔ یہ کہنا کہ خلافت راشدہ کے بعد کی تاریخ صرف مسلمانوں کی تاریخ تھی اسلام کی نہیں کامل غلط تصور ہے۔ مولانا مودودیؒ نے مثالیت پسند [Idealist] تاریخ داں بننے کی کوشش میں ایک بڑی اجتہادی غلطی کی جس نے امت کو مزید انتشار میں مبتلا کیا اگر خلافت راشدہ کے بعد اسلامی تاریخ گمراہی کی تاریخ ہے تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ اب مولانا مودودیؒ جماعت اسلامی کے ذریعہ خلافت راشدہ کا احیاء کر سکے یہ تصور اپنے آپ کو دھوکہ دینا ہے اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ ساتھ ساتھ چلتی ہے۔ مولانا مودودیؒ نے یہ تصور کر لیا کہ خلافت راشدہ کے بعد مشاورت ختم ہو گئی یعنی جمہوریت رخصت ہو گئی اموی و عباسی خاندان آ گئے لہٰذا اسلام ختم ہو گیا وہ یہ بات نہیں سمجھ سکے کہ ملوکیت لازماً

غیر اسلامی نہیں ہوتی۔انبیاء کرام کی دعائیں بادشاہی کے لئے موجود ہیں ملوک کے لئے انبیاء نے اپنی آنے والی نسلوں میں خلافت فی الارض ونبوت کی تمنا کی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی دعاؤں کو اس شرط کے قبول فرمایا کہ یہ ملوکیت تمہاری نسل کے صرف ان لوگوں کو ملے گی جو اپنے آپکو میرے دین کے لئے خالص کرلیں گے۔قرآن وحدیث سے ملوکیت کے حرام ہونے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔عمرؓ بن عبدالعزیز کا عہد خلافت راشدہ کا اظہار وتجدید ہے وہ ملک تھے۔صلاح الدینؒ ایوبی،نورالدین زنگی،التمشؒ،محمودؒ غزنوی،،اورنگ زیب عالمگیرؒ کے ادوار حکومت اسلامی تاریخ وشخصیت کے بار بار ابھرنے کے امکانات کی کامل تصویریں ہیں اصول یہ ہے کہ رضائے الٰہی کے تابع حکومت ہو خواہ جمہوری ہو یا ملوکیت ہو۔اصول یہ نہیں ہے کہ وہ اقتدار میں کیسے آیا ہے؟اقتدار میں غلط طریقے سے آکر کیا صحیح طریقہ سے شریعت نافذ کرسکتا ہے۔کیا اقتدار میں آنے کا طریقہ صحیح ہو یا شریعت نافذ کرنے کا طریقہ صحیح ہو ایک اہم جائزہ۔

[۴۶] جدیدیت پسند اسلامی مفکرین کے اس کا فرانہ اس نقطۂ نظر کا جائزہ کہ کیا اسلامی ریاست دوبارہ قائم نہیں ہوسکتی۔اگر ہو بھی گئی تو قائم نہ رہے گی کیونکہ صحابہ ۳۰ سال میں ناکام ہوگئے۔اسلام لوگوں کے سیاسی مسائل حل کرنے میں ناکام رہا وہ لوگوں کی زندگیاں تبدیل نہیں کرسکتا قوت اجتہاد اس میں نہیں رہی اسلامی تاریخ مسلمانوں کی ہے اسلام کی نہیں یہ خیال محض فلسفہ ہے عملی زندگی میں اسلام کو کیسے برتا گیا یہ سوال مہمل ہوجاتا ہے اس کے نتیجے میں اسلام محض تصورات کا نام رہ جاتا ہے جو عملی طور پر کہیں نہیں برپا ہوا۔اگر اسلامی ریاست تیس سال میں ختم ہوگئی اور ملوکیت کا ظلم وجبر شروع ہوگیا تو اس کے معنیٰ یہ ہوئے کہ اسلامی حکومت ختم ہوگئی جاہلی نظام مسلط ہوگیا[نعوذ باللہ]دوسرے معنوں میں ہماری تاریخ کے مفسرین محدثین مجتہدین صوفیاء مجددین سب تیرہ سو سال تک ایک جاہلی نظام کے تحت زندگی بسر کرتے رہے پوری تاریخ گمراہی ضلالت اور جاہلیت کی تاریخ ہے ملوکیت اگر لازمی جاہلی نظام تھا تو اس جاہلیت کو کس نے قائم کیا حضرت امیر معاویہؓ جیسے جلیل القدر صحابی نے[نعوذ باللہ] اسے استحکام بخشنے والے کون ہیں صحابہ کرام نعوذ باللہ گویا یہ مقدمہ مکمل طور پر صحابہ کرام کے خلاف استغاثہ ہے اس الزام تراشی کے نتیجے میں اسلامی تاریخ،اسلامی شخصیات،اسلامی علمیت،صحابہ کرام،ائمہ اکابرین سب کچھ تہس نہس ہوجاتے ہیں۔یہ بات درست ہے کہ اسلامی تاریخ میں ہمیشہ سو فی صد اسلام نافذ نہیں تھا لہٰذا اس اعتبار سے یہ ہمیشہ آئیڈیل ریاست نہیں کہی جاسکتی۔لیکن معترضین کو یہ معلوم نہیں کہ سو فی صد نفاذ سے کوئی ریاست آئیڈیل نہیں ہوتی بلکہ نفاذ کی سو فی صد طلب آرزو اور تمنا ریاست کے آئیڈیل کو واضح کرتے ہیں حضرت ابوبکرؓ سے لے کر ۱۹۲۴ء میں خلافت عثمانیہ کے خاتمے تک دنیا میں جہاں جہاں اور جب جب بھی اسلامی خلافت،یا اسلامی حکومتیں،یا خاندانی بادشاہتیں قائم ہوئیں خواہ وہ ہندوستان کی مغلیہ سلطنت ہی کیوں نہ ہو ان سب ریاستوں،خلافتوں،بادشاہتوں میں اسلام ہی آئیڈیل تھا ریاست وحکومت کی سطح پر قانون سازی [Public Law] دائرہ شریعت میں ہوتی تھی سب شریعت کے سامنے سر جھکاتے تھے اور اسے بالا وبرتر قانون تسلیم کرتے تھے۔اپنے فسق وفجور کے باعث بعض حکمراں عمل میں کوتاہی کے مرتکب ہوتے تھے یا بعض مرتبہ کتاب الحیل سے مدد لیتے تھے لیکن بحیثیت مجموعی اسلامی شریعت ہی ان کی حاکم تھی اپنے نفس وہ شریعت کے سپرد کرتے تھے کسی بادشاہ نے اپنے مظالم،گناہوں،فسق وفجور اور غیر شرعی زندگی پر کبھی فخر نہیں کیا اور ہمیشہ توبہ ومغفرت کے دروازے پر دستک دینے کو اپنا مقصد زندگی قرار دیا اگر اسلامی تاریخ کو غیر آئیڈیل تاریخ کہہ دیا جائے تو پھر ہماری تاریخ میں کیا بچ گیا۔کیا رہ گیا ظاہر ہے سو فی صد معیار تو کبھی نہیں رہے گا کیا ہم سو فی صد اسلامی ریاست قائم کرسکتے ہیں اگر نہیں تو پوری تاریخ کو غلط کیسے قرار دے سکتے ہیں لیکن سو فی صد آئیڈیل کی آرزو تو کرسکتے ہیں اس آرزو کا زندہ رہنا اس کو ممکن بنانے کا جذبہ بیدار رہنا یہ آئیڈیل ہے۔اصلاً یہی مطلوب ہے اور عملاً اسی مطلوب کی طرف پیش رفت اسی کا تصور اسی کا خیال اسی کی آرزو اسی کی جستجو یہی ایمان کامل اور ایسی ریاست کامل اسلامی ریاست [Islamic Ideal Estate] ہے۔

[۴۷] اس نقطۂ نظر کا جائزہ کہ خلافت راشدہ کے ساتھ ہی اسلامی تاریخ کے زوال کا نقارہ بجانا تاریخ کا بالکل غلط مطالعہ ہے تاریخ یکا یک نہیں تبدیل ہوتی تدریجی عمل سے تاریخ تبدیل ہوتی ہے عہد حاضر کے مجتہدین نے غلط مطالعہ تاریخ کیا۔اسلامی نظام سیاست پر گفتگو

کرتے ہوئے وہ متقدمین کو زیر بحث نہیں لائے مولانا مودودیؒ کے مباحث خلافت وملوکیت میں حیرت انگیز اور افسوسناک طور پر مسلم مفکرین وعلماء سیاست امام ماوردیؒ، ابن خلدونؒ۔شاہ ولی اللہؒ، ابن تیمیہؒ کا کوئی حوالہ نہیں ملے گا لیکن مباحث سیاست میں مولانا مودودیؒ لاک، روسو و دیگر مغربی مفکرین سیاست سے استدلال کرتے نظر آتے ہیں اس حوالے سے مولانا مودودیؒ کے فکر کا اسلامی، سیاسی گوشہ بہت کم زور ہے ظاہر ہے وہ انسان تھے خطاء سے مبرّیٰ نہ تھے لیکن ان کی اس خطاء کی بنیاد پر ان کے بہت سارے اچھے اور معرکہ آراء کاموں کا انکار نہیں کیا جاسکتا المیہ ہے کہ جمہوریت کے تناظر میں اسلامی تاریخ کی تعبیر وتشریح اور جمہوریت کی توضیح کو حکومت وریاست کے ہم معنی سمجھ لیا جاتا ہے۔نظام اقتدار فرد۔خاندان۔گروہ، قبیلہ۔برادری سے لے کر حکومت تک چلا جاتا ہے۔لیکن ہمارے جدید مذہبی سیاسی مفکرین کے یہاں بشمول مولانا مودودیؒ کوئی ٹھوس کام اس حوالے سے نظر نہیں آتا۔[۱۷] اس نقطۂ نظر کا جائزہ کہ اگر کوئی شخص مشاورت، عوام کی مرضی جمہوریت کے بغیر اقتدار پر قابض ہو جائے اور شرع کا حکم لفظ وروح [In leter and sprit] کے ساتھ نافذ کردے تو کیا اس کا اقتدار غلط ہوگا کیا نفاذ شریعت کے لئے اقتدار میں جمہوری یا شورائی طریقے سے آنا لازمی ہے مقصود نفاذ شریعت ہے یا وہ طریقہ یا وہ شخصیت جو شریعت کے نفاذ کا عمل کر رہی ہے؟ اگر غیر جمہوری طریقے سے کوئی شخص اقتدار پر قبضہ کر کے جمہوریت کو بحال کر دیتا ہے۔تو اسے ہیرو مان لیا جاتا ہے لیکن اگر کوئی اسلامی نظام نافذ کرنے کی بات کرے تو ہماری مذہبی سیاسی جماعتیں تردد کا شکار ہو جاتی ہیں اس تردد کی کوئی علمی اساس، تاریخی بنیاد اور مذہبی توجیہہ نہیں ہے یہ محض مغرب کی جمہوریت سے مغلوبیت اور مرعوبیت کی نفسیات ہے جس کو پیدا کرنے میں مولانا مودودی کے سیاسی نظریات نے اہم کردار ادا کیا ہے اب اس کا گہرائی سے ناقدانہ جائزہ لے کر اصلاح مطلوب ہے کہ اب وقت بہت تیزی سے گزر رہا ہے۔

[۴۸] اس نقطہ نظر کا جائزہ کہ حکومت اصلاً ایک نظام جبر ہے جسے لوگ بہ رضاء رغبت قبول کر لیتے ہیں نظام جبر کے نتیجے میں تعلقات کے جبر کا نظام پیدا ہوتا ہے۔روایتی معاشروں میں لڑکی گھر سے نہیں بھاگتی کہ معاشرے میں اس کی عزت نہیں ہوگی بے عزت رہے گی۔تحفظ سے محروم رہے گی لہٰذا بے عزتی کا یہ خطرہ تنہائی کا یہ تصور سب سے کٹنے اور اجنبی بن جانے کے تاریخی جبر کا احساس اسے بھاگنے کے جرم اور گناہ سے محفوظ رکھتا ہے معاشرتی جبر لوگوں کو بہت سے گناہوں سے محفوظ رکھتا ہے، بہت سے گناہوں سے روک دیتا ہے جس گھر کی چھت کے نیچے تین نسلیں رہتی ہیں وہاں ٹی وی۔فحش فلموں، مادر پدر آزادی، روشن خیالی کے باوجود گناہ نہیں ہوسکتا کیونکہ تین نسلیں نگرانی کر رہی ہیں، وہ گناہ کرنا چاہتے ہیں لیکن اس کی قیمت کا اندازہ کر کے وہ گناہ سے تائب ہو جاتے ہیں۔اس توبہ میں صرف معاشرتی جبر نہیں وہ طاقت [Power] بھی اپنا کردار ادا کرتی ہے جو تعلقات کے تانے بانے کے باعث محبت سے پیدا ہوتی ہے۔آدمی اپنے معاشرے میں بہت سے لوگوں سے محبت بھی کرتا ہے وہ سوچتا ہے کہ میں لڑکی کو لے کر بھاگا تو اس کا اثر میری بہن پر میری بھانجی پر میری والدہ پر میرے خاندان قبیلے پر کیا پڑے گا وہ جس جس سے محبت کرتا ہے اسکے تعلقات کی زنجیر حلقہ زنجیر بن جاتی ہے جسے وہ اپنے پیروں اور ہاتھوں میں بخوشی پہن کر اپنے معاشرے میں گم ہو جاتا ہے حکومت ریاست کا اوپری حصہ ہے اس کی مثال کمرے میں پڑی ہوئی ایک میز کی ہے حکومت لمحوں میں بدل سکتی ہے ریاست کو بدلنے میں وقت لگتا ہے کہ وہ معاشرت میں نفوذ کر چکی ہوتی ہے اس لئے زوال کی بدترین حالت میں بھی مسلمانوں کی معاشرتی زندگی میں اسلامیت کے بے شمار جگنو چھپے ہوئے ہیں جو اندھیری راتوں میں روشنی دیتے ہیں۔ ان جگنوؤں کا جائزہ جن سے امت کو آج بھی روشنی مل سکتی ہے۔

[۴۹] خلافت اسلامی کے درجات کیا ہیں؟ خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ سے لے کر آخری خلیفہ سلطان عبدالحمید عثمانی تک یعنی صدر اول سے ۱۹۲۴ تک دنیا میں اسلامی خلافت رائج رہی لیکن یہ خلافت ایک سطح، ایک درجہ کی نہیں تھی اس کو مختلف درجات میں تقسیم کیا جاتا ہے جس طرح درجات ایمانی ہوتے ہیں۔صحابہ کا ایمان۔عشرہ مبشرہ کا ایمان۔خلفائے راشدین کا ایمان۔اسی طرح خلافت کے بھی درجات ہیں۔راشدہ کہہ کر اس خلافت کو ہم دوسری خلافت سے ممیّز کرتے ہیں لیکن دوسری کم تر خلافت بھی اصلاً خلافت ہی ہے مسلمان

مسلمان ہوتا ہے اسے دوسرا مسلمان نہیں کہہ سکتے۔لہٰذا خلافت کوملوکیت کہہ دینا فسطائیت قرار دینا، آمریت کا لقب دینا اسے حقیر قرار دینے کا رویہ مغربی فلسفہ جمہوریت، جان لاک اور روسو کی جمہوریت اور جدید جمہوری ریاستوں سے مرعوبیت اور جمہوریت کے کفر پر غیر شعوری ایمان لانے کے بعد سے شروع ہوا ہے اس مرعوبیت کی عمر بہت زیادہ نہیں ہے لیکن لگتا یہ ہے کہ یہ صدیوں کا قصہ ہے۔درجات خلافت کی بنیاد پر اسے ملوکیت قرار دینے کے غلط اور غیر اسلامی نقطۂ نظر کا تاریخی جائزہ۔

[۵۰] اس نقطۂ نظر کا جائزہ کہ زوال کوئی حادثہ واقعہ سانحہ نہیں۔زوال تدریجاً آئے گا خطبہ جمعہ میں ہے سب سے بہترین زمانہ میرا ہے **خیر القرون ثم الذین یلو نھم**. پہلا دور رسولؐ کا اور صحابہ کا دور ہے صحابہ شامل ہیں پھر تابعین پھر تبع تابعین زوال صرف حکومت کی سطح پر نہیں بلکہ فرد اور معاشرے کی سطح پر اور ریاست کی سطح پر بھی آیا۔لیکن زوال کے تمام تجزیوں میں صرف حکومت حکمراں اور سیاست کے عنوانات زیر بحث آتے ہیں اس طرح زوال کا تجزیہ صرف سیاسی سطح پر کیا گیا ہے معاشرتی سطح پر بالکل نہیں کیا گیا۔جب بھی تنزل آئے گا وہ صرف ریاست کی سطح پر نہیں فرد و معاشرے کی سطح پر بھی آئے گا یہ کہنا کہ عوام بہترین مسلم تھے حکمران بدمعاش تھے درست تجزیہ نہیں نہ حکمران بدمعاش تھے نہ عوام بہت بہترین مسلمان دونوں طرف تبدیلیوں کا عمل جاری تھا۔خلافت کی بنیاد اس فلسفے پر ہے کہ انفرادی و اجتماعی سطح پر فیصلے اس بنیاد پر ہوں گے کہ شارع کی رضا کیا ہے؟ یہ بنیاد اس پر حکومت خود بھی عمل کرے گی دوسروں کو بھی مطیع بنائے گی۔ خلافت راشدہ نیابت رسول اور بندگان خدا کی اصلاح امر بالمعروف عن المنکر کے لئے ہے خلافت کا داخلی مقصد نفاذ شریعت ہے جو خلافت راشدہ میں اعلیٰ ترین سطح پر ہوا خارجی مقاصد میں حق کے لئے توسیع دعوت و جہاد کا فروغ اور جہاد کا اصل مقصد توسیع دعوت نہ کہ تسخیر و تسلط فی الارض [implementation of shariah اور Expantion] خلافت کے بنیادی مقاصد رہے اللہ کی زمین پر اللہ کی حکمرانی دعوت اور کے ذریعے خلافت راشدہ سے لے کر ۱۹۲۴ء میں خلافت عثمانیہ کے اختتام تک تمام خلافتوں اور تمام خلفاء کا مرکزی یا ذیلی نکتہ رہا ہے اور خلافت کے نظام میں ہمیشہ ریاستی قانون [Public Law] شریعت رہی یہ الگ بات ہے کہ خلافت راشدہ میں نفاذ شریعت اعلیٰ ترین سطح پر ہوا عثمانی خلافت میں اس کی سطح و معیار بہرحال اس سے کم تر رہا۔مغل حکمرانوں نے بھی کبھی اپنے آپ کو یا اپنی حکومت اور ریاست کو شریعت سے بالاتر نہیں سمجھا خلافت کا مقصد عمومی پوری اسلامی تاریخ میں نفاذ شریعت اور جہاد رہا ہے لیکن خلفاء کا معیار وہ نہیں رہا جو خلفائے راشدین کا تھا اسی لئے علماء و فقہاء نے امارت و خلافت کو مختلف درجوں میں تقسیم کیا ہے مثلاً امارت عادلہ۔ایسی خلافت جس میں حکمران عادل ہو جس کے ہاتھ سے ظاہر شریعت نہ چھوٹتی ہو گناہ کو حکمت عملی کے طور پر اختیار نہ کرتا ہو لیکن رخصتوں میں کبھی کبھی پڑ جاتا ہو۔۲۔امارت جابرہ حکمراں عادل نہ ہو فاسق ہو مثلاً ظاہری شریعت بھی اس کے ہاتھ سے چھوٹتی ہو ایسی حکمت عملی ریاست میں جاری و ساری رکھے جو غیر شرعی ہو لیکن اس کے باوجود شریعت کا انکار نہ کرتا ہو شریعت کو بالاتر قانون سمجھتا ہو اور کفر نہ کرتا ہو۔ ۳۔امارت دولہ ایسا مسلمان حکمران جو انتہائی درجے کا فاسق لیکن حرام کو حلال نہ کہتا ہو اصولی طور پر شریعت کو مانتا ہو۔۴۔امارت کفریہ۔ حکمراں یا تو کافر ہو یا کفر کو اختیار کرنا اس کی حکمت عملی ہو۔اکبر اس کی بیّن مثال ہے۔ترکی میں کمال اتاترک افغانستان، مراکش، عراق کے وہ حکمراں جنھوں نے دین و شریعت کو واضح طور پر ترک کر کے دوسرے کافرانہ نظام اپنی مملکت میں جاری و ساری کئے۔اسلامی تاریخ میں نظام اقتدار ہمیشہ اسلامی رہا کفر کبھی نہیں رہا حکومتیں خراب رہیں لیکن ۱۹۲۴ تک اسلامی خلافت امارت تنظیم قائم رہی مقاصد ریاست مکمل طور پر شرعی رہے۔لہٰذا یہ کہنا کہ خلافت راشدہ کے بعد کی تاریخ اسلام کی نہیں مسلمانوں کی تاریخ ہے نہایت غلط طرز استدلال ہے۔

[۵۱] اس نقطۂ نظر کا جائزہ کہ علامہ حافظ ابن القیم نے منکر کو ختم کرنے کے لئے برپا کئے گئے عمل، جدوجہد یا خروج کے چار درجے بتائے ہیں۔ا۔جدوجہد ایسی ہو کہ ایک منکر ختم ہو اور معروف قائم ہو ایسا خروج واجب ہے۔۲۔جدوجہد کرنے سے برائی ختم نہ ہوگی اچھائی نہیں پھیلے گی لیکن منکر کا زور ٹوٹ جائے گا ایسی جدوجہد مباح ہے۔۳۔ایک منکر ختم ہو جائے گا لیکن اس کے بطن سے دوسری برائیاں پیدا ہوں گی ایسا خروج ٹھیک نہیں ہے دوسری برائیاں پیدا ہوں گی۔۴۔ایک برائی ختم کر دیں لیکن اس سے بڑی برائی آ جائے گی یہ حرام ہے

جیسے کوئی صرف شراب پیتا تھا اب قتل کرنے لگا پہلے شراب میں دھت رہتا تھا اب ہوش میں آ کر مارنے لگا ہے اسے شراب پینے دو تا کہ چھوٹے منکر میں گرفتار رہے۔ کیا جامعہ حفصہ کے غازی رشید کا جہاد یا خروج ابن القیم کے ان متعین اصولوں کی روشنی میں کسی حد تک اپنے ہونے کا جواز رکھتا ہے؟ ایک اہم جائزہ۔

[۵۲] اس نقطۂ نظر کا جائزہ کہ بعض قدیم مفکرین کے مباحث کی روشنی میں امام حسینؓ کے طرزِ عمل کا تعین کرنا غلط ہے مثلاً امام ابن تیمیہؒ منہاج السنہ میں یزید کو برحق سمجھتے ہیں اور حضرت سیدنا حسینؓ کے موقف کو غلط اس موقف کی ترجمانی العواصم کے مصنف نے ان لفظوں میں کی ہے کہ ''حسینؓ اپنے نانا کی تلوار سے قتل [نعوذ باللہ۔ ساحل] ہوئے اشارہ ان احادیث کی جانب ہے جن میں حکمران کی بیعت کے بعد بغاوت کی ممانعت ہے اس استدلال کی مدلل تردید ابن خلدونؒ نے اپنی کتاب میں کی ہے اس طرح کے موقف ابن تیمیہؒ اور صاحب العواصم کے تفرادت ہیں حضرت حسنؓ و حسینؓ کا طرزِ عمل امت کے لئے مشعل راہ ہے جب حکمراں حضرت امیر معاویہ جیسی جلیل القدر ہستی ہو تو ہمیں کیا کرنا ہے اس وقت حضرت حسنؓ کی طرح ان کے حق میں دستبردار ہو کر امت کو مجتمع کرنا افضل ہے اسی لئے اسلامی تاریخ میں یہ سال ''عام الجمع'' کا سال کہلاتا ہے جب امت دوبارہ مجتمع ہوگئی اور یہ سب کچھ حضورؐ کی اس پیش گوئی کے مطابق ہوا جو آپ نے حضرت حسنؓ کے بارے میں کی تھی۔

ابنی ھذا سید ولعل اللہ ان یصلح بہ بین الفئتین من المسلمین [ترمذی ج ا ص ۱۸۳ باب ما جاء فی العقیقہ ابوداؤد و نسائی، باب العقیقہ]

اسی طرح جب مقابلہ یزید جیسے حکمراں سے ہو تو تبدیلی کی کوشش کی جائے لیکن اہل کوفہ جیسے حامی ہوں اور اہل کوفہ جیسا لشکر خروج کا مددگار ہو تو خروج ترک دیا جائے اور ایسی کوشش سے احتراز کیا جائے جس طرح کہ حضرت حسینؓ نے کیا جب آپ کو معلوم ہوا کہ اہل کوفہ بیعت کر چکے ہیں تو آپ نے واپس جانے یا دمشق جانے کا راستہ طلب کیا لیکن آپ پر جنگ جبراً مسلط کی گئی خروج تو آپ کا ملتوی ہو گیا تھا آپ نے ایک عظیم بہادر شخص کی طرح مسلط کردہ جنگ کا مقابلہ کیا اور اپنی جان بہادری کے ساتھ اللہ کے حضور پیش فرما دی۔

[۵۳] اس نقطۂ نظر کا جائزہ کہ ائمہ اربعہ کی جانب سے خروج کی شرائط وغیرہ خروج سیدنا حسینؓ کے بعد اجماع سے مرتب ہوئی ہیں لیکن یہ اجماع حجت نہیں ہے کیونکہ ہمارے لئے دلیل صحابہ ہیں اور حضرت حسینؓ صحابی تھے ائمہ اربعہ دلیل نہیں ہیں لیکن یہ اعتراض اٹھانے والے بھول جاتے ہیں کہ خروج حسینؓ کے موقع پر صحابہ کا اجماع ان کے برعکس تھا تمام صحابہ نے حضرت سیدنا حسینؓ کو خروج سے احتراز کی ہدایت فرمائی اور الحمدللہ جب حضرت حسینؓ کوفہ پہنچ کر اہل کوفہ کی حقیقت کھل گئی تو آپ نے صحابہ کرام کے مشورے کے مطابق خروج منسوخ کر دیا یزید سے ملاقات اور واپسی کا قصد ظاہر کیا لیکن آپ کی دونوں کوششوں کو سازشیوں نے ناکام بنا دیا لہٰذا حضرت سیدنا حسینؓ اور تمام صحابہ کرام کا اجماع ایک ہی موقف پر ہو گیا لہٰذا ائمہ اربعہ کا اجماع تو اجماع صحابہ کی ترجمانی ہے یا نہیں؟ جب کہ اس اجماع صحابہ میں حضرت حسینؓ بھی شامل ہیں۔ لہٰذا خروج پر ائمہ اربعہ کا اجماع صحابہ پر عمل ہے اور صحابہ کی اس کہکشاں میں سیدنا حسینؓ بھی شامل ہیں۔

[۵۴] اس نقطۂ نظر کا جائزہ کہ اگر شرائط خروج پوری نہ ہو رہی ہوں تو اس سے خروج کا انکار لازم نہیں آتا بلکہ یہ بات سامنے آتی ہے کہ خروج کی شرائط پوری کی جائیں خروج میں ناکام لوگوں پر اعتراض و تنقید کرنے والے یہ کہتے ہیں کہ وہ دنگا فساد کر رہے تھے ان کو یہ فساد نظر آ رہا ہے لیکن ریاست کا فساد یا خوں ریزی، دہشت گردی نظر نہیں آ رہی اصل فتنہ تو وہ ہے وہ کیوں نظر نہیں آ رہا اور چھوٹے فساد کیوں نظر آ رہے ہیں؟ خروج میں جو خطرات ہیں وہی جہاد میں بھی ہیں اگر خطرات کے باعث جہاد ملتوی نہیں ہو سکتا تو خروج کیسے ملتوی ہو سکتا ہے زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ طاقت کے حصول تک ملتوی کر دو لیکن طاقت کا حصول ایک اجتہادی مسئلہ ہے اجتہادی رائے میں غلطی ہو سکتی ہے اس غلطی کی بنیاد پر غازی عبدالرشید صاحب کے خروج کو غلط کہنا درست نہیں ہے۔ سوال یہ ہے کہ اجماع امت سے ثابت شرائط خروج میں سے کون سی شرط پوری ہو رہی تھی غازی عبدالرشید کے اپنے مکتب فکر کے علماء، ان کے شیخ مولانا تقی عثمانی، ان کے ہمنوا نہیں تھے غازی صاحب نے کوئی قوت جمع نہیں کی وہ میڈیا وار کے ذریعے خروج فرما رہے تھے اور اس میں لڑکیوں کو ہراول دستے کے طور

پر استعمال کیا جارہا تھا کیا تاریخ کے کسی خروج میں لڑکیوں کو آگے رکھ کر مردوں کو مورچہ بند کر کے انہیں پس منظر میں محصور ومقید ہو کر خواتین کے ذریعے خروج برپا کرنے کی کوئی روایت ملتی ہے؟ سورۂ احزاب میں عورتوں کے لئے حکم ہے کہ ''اپنے گھروں میں ٹک کر رہو'' اس نص صریح کی خلاف ورزی کرتے ہوئے لڑکیاں گلیوں محلوں میں نفاذ شریعت کرتی رہیں میڈیا کو انٹرویو دیتی رہیں لاٹھی ڈنڈے سنبھال کر خروج کا عندیہ دیتی رہیں لیکن جامعہ فریدیہ کے لڑکے اور خروج کے سہ سالار اور ل کبھی اس طرح منظر عام پر نہیں آئے شریعت نے عورتوں کو قضاء، نفاذ حدود، نفاذ شریعت، جہاد اور خروج سے بری الذمہ ٹھہرایا ہے حدود کے معاملے میں عورت کی گواہی بھی قبول نہیں کی ہے تو جہاد وخروج میں عورتوں کو ہراول دستے کے طور پر استعمال کرنے کی اجازت کیسے دی جاسکتی ہے حضرت حسینؓ نے میدان کربلا میں خواتین اور بچوں کو خیمے کے اندر رکھا کسی ایک خاتون کو میدان جنگ میں اتارنے دشمنوں سے مذاکرات کرنے کے لیے نہیں بھیجا یہاں بالکل دوسرا معاملہ تھا کہ گفتگو، مذاکرات خروج کے لیے عورتیں میدان جنگ میں تھی اور امیر خروج مسجد میں محصور ٹیلی فون پر ہدایات دے رہے تھے اور میڈیا وار فرما رہے تھے کیا خروج غازی رشید کو خروج حسینؓ سے تشبیہہ دینا سیدنا حسینؓ کی توہین نہیں ہے۔

[۵۵] اس نقطۂ نظر کا پہلا ناقدانہ جائزہ جو مصر کی التکفیر الہجرہ، حزب التحریر، تحریک نفاذ شریعت محمدی اور جامعہ حفصہ والوں نے اختیار کیا ہے کہ عصر حاضر کے مسلم حکمران فاسق وفاجر ہیں ان کی سلطنت دولہ ہے ان کے خلاف خروج حرام نہیں ہے۔۲۔ان کی ریاست کفریہ ہے غالب علمیت کفر ہے اگر مسلمان عیسائی ریاست قائم کردیں تو کیا وہ اسلامی ریاست ہوگی کیونکہ مسلمانوں نے مغربی سیاست کی ریاست قائم کی جو غلط ہے۔۳۔مسلمان پہلی مرتبہ تاریخ میں نظام کفر کو چلا رہے ہیں کفر کے ناصر وحامی میں اس کے خلاف جہاد ضروری ہے۔فرض عین ہے۔

[۵۶] اس نقطۂ نظر کا ناقدانہ جائزہ کہ کتب فقہ میں جہاد کی بحث اسلامی ریاست کے تناظر ہی میں ہے جب اسلامی ریاست پر کفار یلغار کریں تو جہاد لازمی ہے یہ تمام مباحث اسلامی ریاست بمقابلہ کافرانہ ریاست کے تناظر میں ہیں نہ کہ عوام بمقابلہ اسلامی ریاست۔ لہٰذا فقہی مباحث کا اس سے تعلق نہیں اور خروج سے متعلق ان فقہی اصولوں کو موجودہ حالات پر منطبق کرنا ضروری نہیں یہ۔خروج۔اسلامی حکومت کے خلاف ہوگا جہاد کافروں کی حکومت اور کافر ریاست کے خلاف ہوگا برطانیہ کے خلاف جہاد علماء نے جائز قرار دیا موجودہ اسلامی ریاستیں کافرانہ ریاستیں ہیں ان کے حکمران نام کے مسلم ہیں لہٰذا ان کے خلاف خروج کے احکامات نہیں جہاد کے احکامات لاگو ہوں گے افضل ترین جہاد ظالم بادشاہ کے سامنے کلمہ حق کہنا ہے۔حد اور تعزیر میں جو فرق ہے کیا خروج وجہاد میں بھی وہی فرق ہے خروج حکومت کے خلاف ہوتا ہے علمیت اسلامی کے خلاف نہیں ہوتا۔امام ابوحنیفہؒ نے نفس زکیہ کے ساتھ مل کر خروج کو کفار کے خلاف جہاد سے زیادہ اہم قرار دیا۔باطل کی اصلاح نہیں اس کا انہدام ہونا چاہیے۔تقلید کا مسئلہ اہم ہے ہم مقلد ہیں تقلید کا مطلب خاتمہ اجتہاد نہیں اجتہاد ممکن نہ ہو تو تقلید بھی ممکن نہ رہے گی مسائل حالات ریاست بدل گئی۔اس وقت نئی فقہ کی ضرورت ہے جو خروج وجہاد کے مباحث کو نئے ریاستی تناظر میں دیکھ کر احکامات اخذ کرے اگر فقہ یہ کمی پورا نہ کرسکی تو تقلید بھی ممکن نہیں رہے گی۔ایسی تقلید جو اسلامی روایات و تعلیمات اسلامی کی تصدیق کرے۔ یہ اجتہاد ہے یا بدعت حسنہ اس کے بغیر تقلید ممکن نہیں ہے عہد حاضر سابقہ دور سے بہت مختلف ہے تعداد کیفیات وقوع زماں ومکان مسلمانوں کا دوسرا ہے ہم محض سابقہ کسی ایک دور کی بنیاد پر علمیت کا فیصلہ نہیں کرسکتے ورنہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلامی علمیت کا خاتمہ امام ابوحنیفہؒ پر ہوگیا تھا اسلامی علمیت جہاد اور تاریخ کا چولی دامن کا ساتھ ہے اجتہاد عصر حاضر میں مقلدین ہی کریں گے ایسا اجتہاد جس کا مقصد ماضی کی طرف پلٹنا ہو جو قرن اول کی طرف رجعت کو ممکن بناسکے اجتہاد مقلدین کا ہو جو تقلید کو ممکن بناسکے اور قرن اول کی طرف رجعت کو یقینی بنادے۔

[۵۷] اس نقطۂ نظر کا جائزہ کہ انقلابی تحریکوں کا ماڈرن ازم سے خاص تعلق ہے یہ جدیدیت کے خلاف اٹھی ہیں لہٰذا لامحالہ یہ اپنی فکر کو ماڈرن ازم کے مباحث پر مرکوز کرتی ہیں جبکہ علماء تو ماڈرن ازم کے وجود کو ہی نہیں مانتے اسی لئے سید قطب اور مولانا مودودیؒ نے مغرب

کو سنجیدگی سے لیا علماء نے نہیں لیا۔اس کا فائدہ بھی ہوا نقصان بھی۔ فائدہ یہ ہوا کہ عالم اسلام جدیدیت کے خلاف اور مغربیت کی مرعوبیت کے خلاف حالت جہاد میں آ گیا اس کے اندر زندگی بیداری اور تابندگی پیدا ہوئی مغرب کے خلاف عالم اسلام کھڑا ہو گیا لیکن اس کا دوسرا نقصان یہ ہوا کہ ان انقلابی جہادی احیائی تحریکوں میں جدیدیت داخل ہوگئی اور جدیدیت کا مقابلہ، مقاطعہ، مقاتلہ کرتے کرتے یہ تحریکیں بھی رفتہ رفتہ جدیدیت کے آثار و مظاہر سے مرعوبیت قبول کرنے لگیں اور سلف کے طرز عمل اور اجماع امت سے انحراف کرنے میں بے باک ہوئیں علمی سطح پر یا نظریاتی طور پر ان تحریکوں نے اجماع سے اور سلف کی تقلید سے انکار نہیں کیا لیکن عملاً ان تحریکوں نے یہ دونوں طریقے قبول کر لئے اس لئے اب انقلابی تحریکوں کے فلسفی حامی مطالبہ کرتے ہیں کہ قدیم فقہ اس میں درج مباحث خروج جدید دور کا ساتھ نہیں دے سکتے اب جدید فقہ کی ضرورت ہے جبکہ یہ انتہائی غلط مطالبہ ہے اور اسلامی تاریخ و فقہ سے مکمل ناواقفیت پر مبنی ہے۔شریعت اور فقہ جہاد و خروج کے معاملے میں پندرہ صدی پہلے جو کچھ لکھ چکی ہے آج کے دور میں بھی اس پر سو فی صد عمل ممکن ہے مسئلہ یہ ہے کہ جدید اسلامی تحریکوں کا ذہن اور قلب بھی جدیدیت سے لڑتے لڑتے خود جدید ہو گیا ہے اور وہ اسلام کو بھی اپنے ارادوں کے تتبع و تقلید میں جدید کرنا چاہتا ہے یہ بہت بڑی گمراہی ہے۔

[۵۸] اس نقطۂ نظر کا جائزہ مولانا کہ عبدالصمد کاکوروی بہت بڑے بریلوی عالم تھے تقسیم سے پہلے سنی کانفرنس میں انھوں نے جمہوریت کی شدید مخالفت کی اس کے خلاف قاطع شرعی دلائل دیے اور علماء بریلی کو جمہوری عمل کی حمایت سے روکنے کی کوشش کی۔لیکن ان کے دلائل نہیں سنے گئے۔انہیں کانفرنس سے نکال دیا گیا ان کی کتاب کی اشاعت روک دی گئی۔اس نقطۂ نظر کا پہلا محققانہ تنقیدی جائزہ۔

[۵۹] اس نقطۂ نظر کا جائزہ کہ جماعت اسلامی مارچ سے جون ۱۹۷۷ء تک صرف تین ماہ کے لئے انقلابی جماعت رہی اس کے سوا پوری تاریخ میں جماعت اسلامی علماً ہمیشہ انقلابی لیکن عملاً ہمیشہ غیر انقلابی رہی کیونکہ اس دوران جماعت اسلامی کی قیادت کے احکامات انتظامیہ ماننے پر مجبور ہوگئی تھی ریاستی سطح پر جماعت اسلامی نے قومی اتحاد کی تحریک کی قیادت سنبھال کر حکومت کو بے دست و پاء کر دیا تھا ان تین ماہ کے سوا جماعت کبھی انقلابی نہ رہی۔ضیاء الحق کی کابینہ میں شامل جماعت اسلامی کے وزراء میں چوہدری رحمت الٰہی واحد انقلابی وزیر تھے وہ جہاں بھی سرکاری حکام سے خطاب کرنے جاتے انھیں خوف خدا، خوف آخرت یاد دلاتے ان کو بتاتے کے زندگی مختصر ہے ہم سب کو مرنا ہے بس اس آخری دن کی تیاری کرو وہ سرکاری مال کو رشوت ستانی، حب جاہ، حب مال سے روکنے کی تلقین کرتے تھے لہذا بے شمار سرکاری ملازمین نے رشوت ترک کر دی اور ان کی وزارت کے دور میں کوئی غیر قانونی اور غیر شرعی کام نہیں ہوا۔

[۶۰] اے ایف پی کے مطابق دنیا بھر کے ایوان نمائندگان میں عورتوں کی نمائندگی کا اوسط تناسب اس وقت ۱۷ء۷ فیصد ہے جب کہ وہ ممالک جہاں عورتوں کی نشستیں مخصوص ہیں وہاں عورتوں کی نمائندگی کا تناسب ۱۹ء۳ فیصد ہے اور وہ ممالک جہاں عورتیں مردوں کے شانہ بشانہ انتخابات میں حصہ لیتی ہیں اور ان کے لیے نشستیں مخصوص نہیں ہیں وہاں عورتوں کی نمائندگی کا تناسب ۱۴ء۷ فیصد ہے۔کرغیزستان جہاں ۲۰۰۶ء تک کوئی عورت رکن پارلیمان نہیں تھی اب ۲۵ء۶ فیصد خواتین پارلیمان میں عورتوں کی نمائندگی کر رہی ہیں۔ Nordic Countiries میں عورتوں کی نمائندگی کا تناسب سب سے زیادہ ۴۱ء۱ فیصد ہے لیکن اس تمام تر ترقی کے باوجود اعلیٰ سرکاری و غیر سرکاری عہدوں پر عورتوں کے تناسب میں بہت معمولی رفتار سے اضافہ ہوا ہے۔مختلف ممالک کی کابینہ میں عورتوں کا اوسط تناسب ۱۶ء۱ فیصد ہے۔فن لینڈ میں ۵۸ فیصد عورتیں اور ناروے میں ۵۵ء۶ فیصد عورتیں کابینہ میں وزارتوں کا قلمدان رکھتی ہیں۔گرینڈا کی کابینہ میں عورتوں مردوں کی تعداد مساوی ہے۔دنیا کے تیرہ ممالک میں ایک عورت بھی وزیر نہیں ہے۔۲۰۰۸ء میں دنیا کے ۱۵۰ ممالک میں سے صرف سات ملکوں کی سربراہ عورت ہے۔[ڈان ۵/مارچ ۲۰۰۸ء] خواتین کی عوامی زندگی میں شمولیت میں مسلسل اضافے کا مطلب خاندانی زندگی کا مسلسل زوال، زنا کاری میں زبردست اضافہ، حرامی بچوں کی افزائش اور آبادی کا مسلسل انحطاط ہے۔دنیا کے جن ملکوں میں عورتیں مردوں کے شانہ بشانہ عام زندگی میں حصہ لے رہی ہیں وہاں کے جنسی جرائم اور آبادی میں کمی کا پہلا تقابلی جائزہ۔

[۶۱] اس نقطہ نظر کا جائزہ کہ ہندوستان اور پاکستان کے معاشروں کا بنیادی تضاد یہ ہے کہ ہندوستان میں صرف فوج نےجدیدیت [Modernization] کو اختیار نہیں کیا بلکہ معاشرہ بھی جدیدیت کا شکار ہوگیا ہے۔ پاکستان میں صرف فوج جدید ہوگئی ہے لیکن معاشرہ جدید نہیں ہوسکا۔ پاکستان میں معاشرہ عسکری [Militarization of Society] ہوگیا۔ ہندوستان میں فوج سماجی ہوگئی یعنی [Socialization of Milatary] کا عمل ہوگیا۔ پاکستانی معاشرہ فوج کے پیچھے چلتا ہے ہندوستانی فوج اپنے معاشرے کے پیچھے چلتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ پاکستان کی فوج دنیا میں پہلے نمبر کی فوج ہے دوسرے نمبر پر فرانسیسی فوج ہے۔ موغادیشو میں امریکی فوجی بھاگ گئے لیکن پاکستانیوں نے بھاگنے کے بجائے نفسیاتی، دفاعی اور عسکری حکمت عملی سے اپنا تسلط قائم رکھا۔ پاکستانی فوج نے لاکھوں زلزلہ زدگان کے مسئلے کو جس خوبصورتی سے نمٹایا دنیا کی کوئی فوج اس کا تصور تک نہیں کرسکتی۔ پاکستانی سیاست دان بدعنوان، کم علم، جاہل اور احمق ہیں جب کہ فوج کی قیادت اس کے بالکل برعکس ہے۔ پاکستانی فوج ملک کو بچانے اور لوٹ مار سے بچاؤ کے لیے اقتدار میں آجاتی ہے۔ اس کا یقین ہے کہ پاکستانی سیاستدان بدعنوان اور ملک دشمن ہیں لیکن وہ اقتدار سنبھالنے کے بعد اس بدعنوان جمہوری نظام کی اصلاح تعمیر نو تشکیل نو کے لیے کوشاں رہتی ہے اور کوشش کرتی ہے کہ ان سیاستدانوں کی تطہیر و اصلاح کے بعد سیاسی اقتدار دوبارہ انہی چوروں اور ڈاکوؤں کو منتقل ہوجائے جن سے وہ اقتدار چھین چکی تھی۔ اس تضاد کی کیا توجیہ ہے۔ ایک اہم تنقیدی جائزہ۔

[۶۲] عالم اسلام کا المیہ یہ ہے کہ وہ مغرب کی تفہیم و ادراک سے قاصر ہے۔ عالم اسلام کے مفکرین کی اکثریت آج بھی مغرب کی علمیت کو عیسائیت پر مبنی سمجھتی ہے جب کہ مغربی علمیت تحریک تنویر اور تحریک نشاۃ ثانیہ سے نکلتی ہے جس نے عیسائیت کا جنازہ نکال دیا لیکن یہ مغربی علمیت اسلام کو ختم نہیں کرسکی۔ مغرب کے بارے میں اس غلط نقطہ نظر کا نتیجہ یہ ہے کہ ایک مسلمان کی دینی حمیت اور عصبیت ایک عیسائی کے سامنے جاگ جاتی ہے لیکن ایک جدیدیت پسند، لبرل، سیکولر کے سامنے نہیں جاگتی اگر مسلمان کے سامنے کوئی عیسائیت ہندومت یہودیت کی بات کرے تو وہ اسلام کے دفاع کے لیے کھڑا ہوجائے گا لیکن اگر اس کے سامنے ہیومن رائٹس، سوشل سائنس، سوشل ڈیموکریسی، سائنس و ٹیکنالوجی، پروگریس، ڈیولپمنٹ کی بات کرے تو اس کی پیشانی پر شکن بھی نہیں آئے گی۔ اسے یہ تمام مباحث اور موضوعات اپنے لگیں گے۔ اس کی حمیت و غیرت ان موضوعات پر بالکل نہیں جاگے گی۔ ایسا کیوں ہے عالم اسلام کے اہم مفکرین کے افکار کا ناقدانہ جائزہ جس کی روشنی میں مسئلے کی تفہیم میں مدد مل سکے گی۔

[۶۳] اس عہد کے بہت بڑے فلسفی دریدا کا قول ہے کہ معنی [meaning] تک کبھی انسان کی رسائی نہیں ہوسکتی تم ایک لفظ کے ذریعے دوسرے لفظ کے معنی تک پہنچتے ہو لیکن اس عمل کے دوران تمھیں کیا حاصل ہوتا ہے دریدا کے الفاظ میں: Half of it is not there and half of it is not that. کیا دریدا کے اس قول کا اطلاق تمام انسانوں پر کیا جاسکتا ہے۔ ظاہر ہے نہیں اور بالکل نہیں حضرت آدم کو جب اللہ تعالیٰ نے چند کلمات سکھائے تو سکھانے کا یہ عمل صرف اسماء اور الفاظ کے جاننے کا عمل نہ تھا آدمؑ الفاظ بھی جانتے تھے اور اسماء بھی جانتے تھے اور ان الفاظ و اسماء کے حقیقی معنی [Real meaning] بھی جانتے تھے انبیاء کا شرف و کمال یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں چیزوں کی حقیقت سے اس طرح واقف کرادیتے ہیں کہ حقیقت انہیں آنکھ سے نظر آتی ہے ان کا یقین عین الیقین بن جاتا ہے۔ اسی لیے آخری پیغمبرؐ، رسالت مآبؐ اکثر و بیشتر یہ دعا مانگتے تھے کہ اے اللہ ہمیں اشیاء کو ویسا ہی دکھا جیسا کہ حقیقت میں وہ ہیں انبیاء کرام اور فلسفیوں کے درمیان کیا فرق ہے؟ قصص القرآن کی روشنی میں ایک منفرد جائزہ۔ اس بات کا بھی جائزہ کہ فلاسفہ معتزلہ اور اخوان الصفاء والے انبیاء اور فلاسفہ میں مشابہت و مماثلت کیسے اور کیوں تلاش کرتے تھے؟

[۶۴] اس بات کا جائزہ کہ کیا حواس خمسہ، وجدان، چھٹی حس اور تجربے سے حقیقت کا سراغ مل سکتا ہے؟ جدیدیت پسند مسلم مفکرین یہ بات سمجھنے سے قاصر ہیں کہ صرف محسوسات کے ذریعے حقیقت اور خیر کو تلاش نہیں کیا جاسکتا۔ کسی چیز کا موجود ہونا ایک اور بات ہے لیکن کسی چیز کا محسوس ہونا دوسری بات۔ ضروری نہیں کہ جو موجود ہو وہ آپ کو محسوس بھی ہو۔ کانٹ جیسا فلسفی تسلیم کرتا ہے کہ ایک یہ دنیا ہے جو

میرے مشاہدے مطالعے میں موجود ہے۔ایک دنیا اس سے ماورا بھی ہے۔وہ Nominaاور Phenomina کی اصطلاحات استعمال کرتا ہے۔وہ مادی دنیا کو حقیقت سمجھ کر تسلیم کرتا ہے لیکن غیر مادی دنیا کے بارے میں کہہ دیتا ہے کہ وہ موجود تو ہے محسوس تو ہوتی ہے لیکن تجربات حواسہ خمسہ سے معلوم نہیں کی جاسکتی۔لہٰذا وہ غیر مرئی دنیا دائرہ علم سے خارج ہے۔اگر حواس خمسہ،مشاہدہ،مطالعہ،تجربے سے حقیقت کو الحق کو الخیر کو حاصل کیا جاسکتا تو حضور اکرمؐ کا مشاہدہ تو ابو جہل نے بھی کیا عمرؓ نے بھی لیکن ایک مشاہدے سے انکار کی طرف چلا گیا۔دوسرا مشاہدے سے ایمان کی طرف آ گیا۔اگر صرف مشاہدہ،مطالعہ،تجربہ،حواس خمسہ،عقلی دلیل،ماخذات علم ہو سکتے تو ابو جہل جیسے شخص کو رسالت محمدیؐ پر ایمان لے آنا چاہیے تھا لیکن یہی مشاہدات تجربات محسوسات ابو جہل کے ایمان کی راہ میں رکاوٹ بن گئے۔وہ خانہ کعبہ کے پردوں میں چھپ کر رسول اللہؐ کی تلاوت سنتا تھا اور کہتا تھا کہ یہ شخص تو سچا ہے لیکن اس کا اعتراض یہ تھا کہ نبوت انہیں کیوں دی گئی ہے۔مشاہدہ کامل علم نہیں اگر یہ علم کامل ہوتا تو ابو جہل اسی طرح ایمان لاتا جس طرح صحابہ ایمان لائے۔مشرکین صحابہ کو سفہاء[نعوذ باللہ] یعنی بے وقوف کہتے تھے کہ ہم ان بے وقوفوں کی طرح ایمان لائیں سورہ بقرہ میں ارشاد ہوا ہاں اللہ کو ان بے وقوفوں والا ایمان مطلوب ہے۔عقل مندوں والا ایمان نہیں جو ریب،شک،شبہ،تذبذب،خلجان پر مبنی ہو۔اگر مشاہدات،تجربات،حواس خمسہ محسوسات سے علم حقیقت مل سکتا تو کیا وجہ ہے کہ جن جن انبیاء نے معجزات پیش کیے ان کی قوم معجزہ ظاہر ہونے کے بعد ایمان نہیں لائی۔اور حواس خمسہ سے تجلیات حق کا مشاہدہ کرنے کے باوجود انکار کر دیا۔قصص القرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی ایک قوم نے بھی معجزے کو دیکھ کر اسلام قبول نہیں کیا۔معجزہ بندوں پر رحمت الٰہی کا آخری مظاہرہ ہوتا ہے وہ رحیم و کریم ہستی اپنی صفت رحم کے تحت جو اس نے خود پر لازم کر لی ہے ان مشرکوں اور کافروں کو ایک موقع عنایت کرتے ہیں کہ کفار کے مطالبے کے مطابق ان کے منہاج علم [یعنی محسوسات کے ذریعے] میں ان کو پیغمبر کی صداقت کا معجزہ دکھا دیا جائے تاکہ یہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں سائنسی مشاہدہ کر لیں کہ یہ محسوسات کے خوگر لوگ ہیں شاید حواس خمسہ کے ذریعے انہیں پیغمبر کی حقانیت کا یقین حاصل ہو جائے لیکن تاریخ یہ بتاتی ہے کہ محسوسات اور مشاہدات پر مبنی معجزوں کے باوجود کفار اپنے کفر پر قائم رہے۔لہٰذا اگر سائنس ایک معجزہ ہے جیسا کہ جدیدیت پسند مسلم مفکرین کہتے ہیں تو یہ معجزے اگر مسلمان حاصل بھی کر لیں تو عالم کفر اس سے متاثر ہو کر اسلام نہیں لائے گا۔حضورؐ نے جب اللہ تعالیٰ سے معجزے کی تمنا ظاہر کی تو آپ کو یہی جواب دیا گیا کہ یہ معجزہ دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائیں گے۔اگر ہم آسمان کھول دیں اور اس میں ان کفار کو داخل کر دیں تو یہ کہیں گے کہ ہماری نگاہوں کو دھوکہ ہوا ہے۔عالم اسلام کے جدیدیت پسند مسلم مفکرین جہالت میں مبتلا ہیں۔وہ سمجھتے ہیں کہ مغرب کا انسان صرف خدا،پیغمبر اور اسلام کو قبول کرنے کے لیے صرف اور صرف کسی مضبوط عقلی دلیل یا سائنسی مشاہدہ کا منتظر ہے جیسے ہی جدید علم کلام وہ دلیل اور وہ سائنسی مشاہدہ مہیا کر دے گا مغرب مسلمان ہو جائے گا۔دنیا کی پوری تاریخ ان جہلاء کے اس مفروضے کی نفی کرتی ہے۔ایک اہم جائزہ۔

[۶۵]اس نقطۂ نظر کا جائزہ کہ ملیشیا میں دار ارقم تحریک نے لاکھوں لوگوں کو حلال روزگار فراہم کیا لبنان میں حزب اللہ نے اسی طرز پر حلال کاروبار کا تجربہ کیا ہندوستان میں جماعت اسلامی نے بلاسود قرضوں کا وسیع نظام قائم کیا لبنان،ملیشیا اور ہندوستان کے تجربات کی روشنی میں اسلامی تحریکیں ہر ملک میں متوازی نظم معیشت نظام حکومت اور طاقت کے مراکز قائم کر سکتی ہیں جہاں متوازی نظام معیشت،نظام افتاء اور نظام قضاء قائم کر کے نہی عن المنکر کا حکیمانہ طریقہ کار حکومت کے علی الرغم ریاستی سطح پر برپا کیا جاسکتا ہے لوگوں پر جبر اور طاقت کے ذریعے کوئی نظام مسلط کرنے کے بجائے اسلامی احکامات کی روحانیت کو اس طریقے سے زندہ کیا جائے جس طرح صحابہ،صدیقین صلحاء اتقیاء صوفیاء اور علماء،فقہا اور متکلمین نے تاریخ کے ہر دور میں اس نظام اور روحانیت کو برپا کر کے دکھایا سی ڈی کی دکان پر سی ڈی خریدنے اور بیچنے والے کو مارنے پیٹنے اور ان کی سی ڈی جلانے کے بجائے خرید و فروخت کرنے والوں کے دل میں ایمان کی وہ شمع روشن کی جائے جو ان کے دل سے ظلمت کے اندھیرے دور کر دے اور انھیں ظلمات سے نور کی طرف لے آئے حجام کے ہاتھ سے استرے

چھیننے اور داڑھی منڈانے والوں سے درشت رویہ اختیار کرنے کے بجائے ان دونوں کے دل میں الکتاب اور عشق رسالت مآب کی وہ شمع روشن کی جائے کہ وہ ہاتھ سنت نبوی کو مٹانے سے انکار کردے اور وہ فرد سنت کو اپنی زندگی کا سب سے محبوب کام سمجھ لے۔ یہ کام صبر و حوصلے تحمل اور بردباری سے زیادہ اعلیٰ ترین کردار تقویٰ کی اعلیٰ ترین دولت اور قلب و نظر کی پاکیزگی اور روحانیت کے بغیر ممکن نہیں فرد اور معاشرے کی باطنی اصلاح کے بغیر دین کا تحکمانہ طریقے سے نفاذ پائیدار نہیں ہوتا قلب کی دنیا فتح کئے بغیر اور دلوں میں دین کی تڑپ لگن محبت اور چاہت پیدا کئے بغیر لوگوں کو قانون اور طاقت کے بل پر دین سے پیوستہ رکھنا ممکن نہیں رہتا دین کے علمبردار اعلیٰ ترین روحانی بلندیوں پر ہوں تو لوگوں کے دل خود بخود ان کے کردار کی عظمت کے آگے جھک جاتے ہیں لیکن قاضی حسین احمد اور مولانا فضل الرحمٰن کی سیاسی قلابازیاں دیکھنے والا نہ ان کی دینی بصیرت سے متاثر ہوتا ہے نہ ان کی دنیاوی صلاحیت سے دوسری طرف متشدد دینی قیادت ہے جو سیاسی قلابازیاں نہیں کھاتی لیکن حکمت دین سے محروم ہے۔ کیا حجام کو مارنے سے لوگ داڑھی مونڈنا اور منڈوانا چھوڑ دیں گے دین فرد کو تبدیل کرتا ہے۔ دین کا اصل مخاطب فرد ہے ہر شخص کو اپنی قبر میں تنہا جانا ہے اور خود جواب دینا ہے فرد کو بدلنے کا مطلب فرد کی بنیاد اور اساس کو بدلنا ہے فرد تبدیل ہو جائے تو معاشرہ ریاست اور حکومت تک تبدیل ہو جاتے ہیں لیکن اگر فرد تبدیل نہ ہو سکے تو دین ظاہری سطح پر خواہ کتنا طاقت ور کیوں نہ ہو اندرونی طور پر وہ نہایت کم زور ہو جاتا ہے اندلس اس کی بہترین مثال ہے اسلام روحانیت کے غلبہ کا نام ہے جو فرد کی تبدیلی کے بغیر ناممکن ہے یہ غلبہ فرد سے خاندان، خاندان سے معاشرت معاشرت سے ریاست اور آخر کار ریاست سے حکومت کے ایوان میں داخل ہو کر رہتا ہے۔ اس فطری غلبے، تسلط، تحکم، حاکمیت، تسخیر کو دنیا کی کوئی طاقت کوئی بند نہیں روک سکتا قانونی سطح پر دین کو روحانیت برپا کئے بغیر نافذ کرنے کی کوشش کی جائے گی تو ردعمل میں ایک شخص اپنے کفر پر جم کر اس کے لیے جان کا نذرانہ پیش کر سکتا ہے اس کی یہ قربانی کفر پر جان دینے والوں کی ایک ایسی جماعت پیدا کر سکتی ہے جو مظلومیت کا روپ دھار کر شعائرِ دینی کے خلاف مسلمان علاقوں میں ردعمل اور احتجاج کی شمع روشن کر سکتی ہے سوال یہ ہے وہ کون سے اسباب ہیں کہ لوگ دین کی طرف رجوع کرنے کے بجائے دنیا کو ترجیح دے رہے ہیں کیا بے دینی کے اس فروغ میں ہمارے دینی طبقے کا حصہ تو نہیں جو صرف سیاسی نعرہ بازی اور ہنگامہ آرائی پر مبنی دینداری کو اصل دین سمجھتا ہے قلوب کو فتح کئے بغیر قانون اور پروپیگنڈے کے بل پر کوئی پائیدار تبدیلی نہیں آ سکتی پنجاب میں یہ تجربہ ۱۹۲۰ء میں ہو چکا ہے جب عورتوں نے اپنے شوہروں سے خلاصی حاصل کرنے کے لئے ارتداد کی راہ اختیار کی اور عیسائی ہو گئیں کیونکہ علماء نے دین کے صرف قانونی پہلو پر توجہ دی جو اس کے کل کا ایک جزو ہے انھوں نے دین کے دیگر پہلوؤں کو نظر انداز کر کے صرف قانون پر دین کو منحصر کیا لہٰذا قانون ناکافی ہو گیا اور یہ الزام علماء کو برداشت کرنا پڑا کہ فقہ اس زمانے کا ساتھ نہیں دے سکتی اسلامی حکمت عملی یہ ہے کہ ایسی صورت حال کبھی پیدا نہ ہو عورتوں اور مردوں کو شعائرِ دینی کے ساتھ وابستہ رکھا جائے اور ان کی اغلاط و گناہوں پر سرزنش اس طرح کی جائے کہ ان کے قلب کی آنکھ کھل جائے اصلاح سرزنش سزا جزع وفزع کا مقصد یہ نہیں ہے کہ فرد کے رذائل باطنی کو بیدار و زندہ کیا جائے بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ اس کی حمیت دینی کو اس قدر غیرت مند کر دیا جائے اور اس کے اخلاق عالیہ و روحانیت کو ایسی مہمیز دی جائے کہ وہ قلب کی پکار سن کر توبہ کے دروازے پر دستک دینے کے قابل ہو سکے۔ اس کو دین کے دائرے سے خارج کرنے کے بجائے حتی الامکان دین کے دائرے میں رکھنے کی کوشش کی جائے عصر حاضر میں خارجیت متشدد تحریکوں میں خاموش قاتل بن کر داخل ہو گئی ہے خارجیت یہی ہے کہ ہر شخص کو دین سے خارج کرنے میں عجلت کی جائے اور گناہ گار کو دین کا دشمن اور شعائرِ اسلامی کا مخالف ثابت کر کے دائرہ دین سے خارج کر دیا جائے یہ خارجیت جب پیدا ہو جاتی ہے تو اسے حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ جیسے جلیل القدر صحابہ کفار کی صفوں میں نظر آتے ہیں اور ان کا خون خارجیت کے لئے مباح ہو جاتا ہے مصر میں اخوان سے ٹوٹنے والا گروہ التکفیر والہجرہ اسی خارجیت کا نمائندہ گروہ ہے جو ہر مسلمان حکمران کی تکفیر جائز اور اس کے قتل کو واجب سمجھتا ہے خارجیت کا ایک اور مظہر حزب التحریر ہے جو تمام مسلمان جماعتوں اور حکمرانوں کی تکفیر کو جائز قرار دیتی ہے اور بے سروپا دعووں کے ساتھ انقلاب کا صور پھونکتی ہے ان بے چاروں کو

مغرب میں اور عہد حاضر کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں خارجیت کی جدید شکلیں رنگ بدل بدل کر تمام مکاتب فکر میں ظہور کرتی ہیں جو صحابہ کی قدح کرنے والوں اور بریلویوں کو مسلمان سمجھنے والوں کو خارج از دین قرار دیتی ہیں۔ یہ تحریکیں ائمہ اربعہ کے طے کردہ اصول کفر واسلام کو مسترد کرتی ہیں تعامل امت اور اجماع امت کی نفی کرتی ہیں مدار کفر و دین قرآن سنت ائمہ اربعہ کے اصولوں کو بنانے کے بجائے خارجیت کے اصولوں کی روشنی میں کفر واسلام کا تعین کرتی ہیں یہ تحریکیں اپنے علماء کے اثر سے باہر ہوتی ہیں اور جو عالم ان کی خارجیت کی مذمت کرے اسے بھی اپنے مسلک سے خارج کر دیتی ہیں اکثر تحریکیں حنفی المسلک ہیں لیکن فقہ حنفیہ میں موجود ان احکامات کو نظر انداز کر دیتی ہیں۔

[۶۶] یہ اس سوال کا جواب نہیں دیتیں کہ پندرہ صدیوں میں کبھی اہل تشیع کے حج پر پابندی کیوں عائد نہیں کی گئی اور اب ان کے نظریات و عقائد میں کیا خاص تبدیلی آ گئی ہے کہ پابندی لگا دی جائے جبکہ ائمہ اربعہ کے اصول کفر واسلام مسلمانوں اور کافروں کے مابین فرق واضح کرنے کے لئے کافی ہیں یہی خارجیت دیوبندی اور بریلوی مسالک کے ان جید علماء کی توہین وتذلیل کرنے ان پر اعتراضات کرنے میں کوئی باک محسوس نہیں کرتی جو ان کے جاہلانہ فتووں اور غیر ذمہ دارانہ رویوں کی علمی و روحانی بنیاد پر مخالفت کرتے ہیں یہی خارجیت فواحش ومنکرات کی آڑ میں پر تشدد رویوں کو دین کی آبیاری کا کام سمجھتی ہے فواحش ومنکرات کا خاتمہ کیا قلب انسانی کی ماہیت بدلے بغیر ممکن ہے یا صرف طاقت کے بل پر گناہوں کا خاتمہ ہو جاتا ہے اگر ایسا ممکن ہوتا تو انبیاء لوگوں کے تزکیہ قلب کی تطہیر اور روحانیت کے فروغ کے بغیر شخصیت کی تعمیر کر دیتے۔ خارجیت اسلام کی مسلمہ علمیت اور ماخذات دین کو عملاً تسلیم نہیں کرتی خارجیت ہمیشہ جزئیات میں الجھتی ہے اور کلیات سے صرف نظر کرتی ہے۔ جماعت اسلامی کے ڈاکٹر مسعود عثمانی، جاوید غامدی، وحید الدین خان، اسرار عالم، راشد شاذ اسی خارجیت کی بدترین شکلیں ہیں جن کو دنیا کی تمام خرابیاں صرف اور صرف اہل دین میں نظر آتی ہیں اور اہل کفر اہل دین سے اچھے نظر آتے ہیں۔ خارجیت جس مکتب فکر میں داخل ہوتی ہے اس کے جید علماء کو بے دخل کر دیتی ہے اور بے وقعت ٹھہراتی ہے اس کے لہجے میں کہساروں کا جلال اور آبشاروں کا جمال ہوتا ہے جو ہر شخص کے دروازۂ دل پر دستک دے کر اسے خارجیت کا اسیر کرتا ہے یہ رویہ اور جذبہ عارضی ہوتا ہے لہٰذا چند برسوں میں تحلیل ہو جاتا ہے گزشتہ پچاس برسوں میں تمام مسلمہ مکاتب فکر کے نام پر خارجیت رنگ بدل بدل کر ابھرتی رہی ان مکاتب فکر کے جید علماء نے ان کو توثیق نہ کی لیکن ان سے واضح اعلان برات بھی مصلحتاً نہیں کیا لہٰذا یہ تحریکیں ختم ہوئیں تو ان کی جگہ دوسری تحریکیں ابھر آئی ہیں کوئی اس بات پر غور نہیں کرتا کہ اسی کے عشرے میں شاہ بلیغ الدین کی برپا کردہ شیعوں کے خلاف تحریک اور سواد اعظم اہلسنت، وغیرہ کہاں رہ گئیں ان کا نام تک ختم ہو گیا بریلویوں کی نہایت موثر تنظیم جس میں علماء کو غلبہ حاصل تھا یعنی جماعت اہلسنت وہ پس منظر میں چلی گئی دوسری تحریک منظر پر چھا گئی جماعت اسلامی میں سب سے زیادہ خارجی پیدا ہوئے ہیں لیکن اس جماعت کے نظام میں نہ جانے کیا مخفی طریقہ کار ہے کہ یہ خارجیت جماعت کی مرکزی قیادت پر حاوی نہیں ہو سکتی۔ جماعت اسلامی میں پیدا ہونے والی خارجیت کو ہمیشہ جماعت سے الگ کر دیا جاتا ہے یا وہ خود الگ ہو جاتی ہے مثلاً پاسبان انصار المسلمون امین احسن اصلاحی، وحید الدین خان، راشد شاذ، جاوید غامدی، ڈاکٹر منظور احمد ریکٹر اسلامی یونیورسٹی، مسعود الدین عثمانی، اسرار عالم جماعت اسلامی کے وہ خارجی افراد یا تحریکیں تھیں جنھیں جماعت سے خود الگ ہونا پڑا یا جماعت اسلامی نے انھیں الگ کر دیا جدید خارجیت کی تاریخ بہت قدیم نہیں یہ تاریخ بھی چند برسوں کی ہے چند صدیوں کی نہیں بریلویوں میں خارجیت کا ظہور ہوا تو جید علماء کرام نظر انداز ہونے لگے چھوٹے لوگ جید علماء پر اعتراض کرنے لگے سیرت النبی کے جلسے ختم ہو گئے سیرت کانفرنسوں کا خاتمہ ہو گیا تصویریں کھنچوانے کا مرض عام ہو گیا ریاکاری بڑھ گئی پریس کانفرنسیں اخبار میں تصویروں کی اشاعت وفود سے ملاقاتیں جاری وساری ہیں اور ان کی تصویریں بدعت حسنہ بن گئیں علماء کی خطابت کی جگہ نعت خانوں کے نطق نے لے لی علماء پسِ منظر میں چلے گئے اور نعت خواں منظر پر چھا گئے نعت خوانوں کو جو عزت، پذیرائی، اعزاز واکرام، ہدایا تحائف، جس طرح پیش کئے گئے علماء کرام کو یہ عزت نہیں دی گئی جمالیات نے علمیت کی جگہ لی علماء آواز

کا جادو نہیں جگا سکتے وہ علمیت کی بنیاد پر بات کرتے ہیں لہٰذا ان کی گفتگو خطابت، تقریر، علم دوسرے درجے کی چیز بن گیا نعت خواں عالم کے درجے پر فائز ہو گئے اور اجتہادات کرنے لگے اویس قادری اور ان کا گروہ نعتوں میں آوازیں نکال کر موسیقی کا اثر پیدا کرنے لگے جس پر ہندوستان میں بریلی سے فتویٰ جاری کیا گیا لیکن فتوی کے آنے سے پہلے ہی یہ جادو سر چڑھ کر بول رہا تھا اور ابھی تک بول رہا ہے اس اجتہاد کے لئے بریلوی علماء سے رجوع نہیں کیا گیا بریلوی علماء اور امیر دعوت اسلامی کی جانب سے بار بار متوجہ کرنے کے باوجود نعتوں کی جدید روش جاری و ساری ہے علماء اور علمیت پیچھے رہ گئی ہے جمالیات اور کاروبار آگے بڑھ گیا ہے نعت خواں کروڑ روپے میں بکنے لگے سیرت کے جلسے ختم ہو گئے جو ہو رہے ہیں ان میں کم لوگ آتے ہیں کہ اس میں نہ کھانا ملتا ہے نہ عمرے کے ٹکٹ نہ نطق کی لذت یہ سب ذائقے دوسری محافل میں ملتے ہیں۔ خارجیت جدیدیت Modrenism کی قدیم شکل ہے جس کی تمام تر علمیت کا ماخذ ان کی خواہش نفس self ہے وہ جو چاہتے ہیں کر گزرتے ہیں ان کے اقدام کے لیے کسی تحمل، علمیت ٹھہراؤ مذاکرے مباحثے فتوے اور مشورے کی ضرورت نہیں ہوتی ان کا الہٰ یعنی ان کی خواہش نفس یا ان کی خوبصورت تمنائیں جس چیز کو حلال کر دیں وہ حلال ہو جاتی ہے جسے حرام ٹھہرا دیں وہ حرام ہو جاتی ہے وہ ایسی جذباتی فضاء پیدا کر دیتے ہیں کہ بڑے بڑے متحمل لوگ اس میں بہنے لگتے ہیں وہ قربانی دینا خون بہانا اور خون دینا جانتے ہیں لہٰذا ان کے فلسفے میں ایک رنگینی، نیرنگی، حسن، جمال بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ اور بوئے خون کے افسانے ان کی خالی خولی علمیت کے غبارے میں ایسی ہوا بھر دیتے ہیں کہ وہ فرش پر رہ کر عرش سے کلام کرتے ہیں اور اپنے آپ کو اس زمین پر معرفت رب کا واحد اجارہ دار سمجھ لیتے ہیں خارجیت اپنے سوا ہر ایک کے انکار کا نام ہے خارجیت صرف اپنے آپ کو الحق سمجھنے کا نام ہے خارجیت نور کے پردوں میں گرفتار رہتی ہے یہ اپنی تاریخ کا انکار کرتی ہے ہر اس شخصیت، قدر، حکم، فیصلے، کو رد کرتی ہے جو ان کے بے سروپا دعوں کی راہ میں ذرہ بھر بھی رکاوٹ پیدا کر دے یہ اپنے آپ کو خدا کا برگزیدہ بندہ اپنے گروہ کو خدا کا پسندیدہ گروہ، اپنے حامیوں کو جنت کے واحد حقدار اور پوری مسلم دنیا کو جہنمی قرار دینے میں کوئی شرم محسوس نہیں کرتی یہ نور کے پردے ہیں جو جہالت کی علمیت سے طلوع ہوتے ہیں عالم اسلام میں خارجیت ہر اس گروہ میں تلاش کی جا سکتی ہے جو ان اصولوں کی روشنی میں ''امت وسط'' کی راہ چھوڑ کر تشدد، زور زبردستی کے راستے پر چل رہا ہے خارجیت نے ہماری اسلامی تحریکوں کو کب کب کہاں کہاں اور کیسے کیسے نقصان پہنچایا یہ ایک الگ دلگداز داستان ہے جسے بیان کیا جائے تو جگر شق اور چہرہ فق ہو جائے عالم اسلام اور پاکستان میں خارجیت کے نفوذ و ارتقاء کی کہانی کے نشیب و فراز کا اہم جائزہ۔[٦٧] اس جاہلانہ نقطۂ نظر کا جائزہ کہ پاکستان نے ہمیشہ امریکی حکمت عملی کے مطابق اپنی جنگیں اپنے میدان جنگ میں لڑنے کے بجائے ہمیشہ دوسروں کے میدان جنگ میں جا کر لڑیں تاکہ اس کی سرحدیں محفوظ رہیں ان جنگوں میں بنیادی کردار شہید جہاد افغانستان جنرل ضیاء الحق کا ہے ان کی کامیاب حکمت عملی یہ تھی کہ انہوں نے پاکستان کی جنگیں سرحدوں سے باہر جا کر دشمن کی سرحدوں میں لڑیں اس طرح دشمن کو اپنے وطن سے دور رکھا مجاہدین کے ذریعے ضیاء الحق نے کشمیر، افغانستان اور مشرقی پنجاب تک ہندوستان و روس کے خلاف جہادی روح کو زندہ کر کے متحرک و وسیع کر دیا عہد حاضر کی تحریک جہاد دراصل جنرل ضیاء الحق کی جہادی حکمت عملی کا ثمر ہے ضیاء الحق نے اپنی حکمت عملی کا دفاع کرتے ہوئے کہا تھا کہ کشمیری مجاہدین افغان مجاہدین اور مشرقی پنجاب کے سکھ پاکستان کے دفاع کی جنگ لڑ رہے ہیں اس خطیبانہ دعوے اور مجاہدانہ بیان پر یہ سوال اٹھایا گیا تھا کہ اگر پاکستان کی تمام جنگیں کشمیری گوریلے، افغان مجاہدین اور سکھ جنگجو لڑ رہے ہیں تو پھر اس قدر بڑی فوج کی کیا ضرورت ہے اس کو ختم کر دیا جائے دونوں نقطۂ ہائے نظر کا پہلا تقابلی مطالعہ۔